پکڑتے ہوئے بولی۔ ''آیئے بھائی جان!''

''کیا بات تھی ثمینہ؟'' اس نے صحن سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں بھائی جان، وہ مذاق کر رہی تھیں۔''

''کون مذاق کر رہی تھیں؟''

''آپا کی سہیلیاں''

''کس کے ساتھ''

''میرے ساتھ۔''

''لیکن تم نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ اپ کو امی جان بلاتی ہیں؟''

''اس لیے کہ وہ آپ کو اچھی طرح دیکھ لیں۔''

''کون''

''وہی جو یہ کہتی تھیں کہ آپ کی ناک چپٹی ہے۔''

''کون کہتی تھیں؟''

''آپا جان کی سہیلیاں''

مراد علی نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ '' اور تمہارا خیال کیا ہے کہ میر ناک چپٹی نہیں؟''

ثمینہ نے رک کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے بولی '' بالکل نہیں''۔



اکبر خاں کی تیاریوں سے معلوم ہوتا تھا کہ ادھونی کی برات بڑی دھوم دھام سے آنے والی ہے۔ مکان سے باہر ایک کھلے میدان میں خیمے اور شامیانے نصب

کیے جا رہے تھے۔ اکبر خاں اور شہباز خاں دن بھر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے تھے۔ مراد علی کو بیکار بیٹھنا پسند نہ تھا۔ وہ ان کے کام میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتا۔ لیکن بستی کے لوگ فوراً داخلت کرتے اور کہتے، نہیں جی۔ آپ مہمان ہیں، ان کاموں کے لیے ہم موجود ہیں۔ اکبر خاں کو نمائش کس معنی دے نجتے تھی۔ لیکن ادھونی سے اسے اس قسم کے پیغامات مل چکے تھے کہ برات دھوم دھام سے آئے گی اسوا سے اپنی سادگی اور اسے اپنی سادگی کے باوجود کسی کی زبانی یہ سُننا گوارا نہ تھا کہ اس ن اپنی بیٹی کی شادی پر بُخل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ مہمانوں کی آؤ بھگت کے لیے وہ اپنے تمام وسائل جمع کرنے میں مصروف تھا۔ پانچویں روز اکبر خاں کے قبیلے کے لوگ گاؤں سے باہر جمع ہو کر حیرت داستعجاب کے عالم میں برات کے شاہانہ ٹھا ٹھ دیکھ رہے تھے تیس ہاتھیوں پر دولھا اور اس کے خاندان کے علاوہ ادھونی کے بڑے بڑے امرا اور سلطنت کے اعلیٰ عہدے دار سوار تھے ہاتھیوں کے پیچھے کوئی پانچ سو آدمی گھوڑں پر سوار تھے اور ان کے پیچھے سازوسان کی لدی ہوئی گاڑیوں کے ساتھ پیاسہ سپاہیوں نوکروں اور خیمہ برداروں کا ایک ہجوم چلا آ رہا تھا برات کے ساتھ کئی طائفے شہنائیاں بجا رہے تھے اور آتش بازوں کا ایک گروہ گولے اور ہوائیاں چھوڑ رہا تھا،

مہمانوں کی مجموئی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی لیکن اکبر خاں نے قریباً دو ہزار مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست کر رکھا تھا مراد علی کو یہ معلوم تھا کہ دولھا کا باپ ادھونی کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے لیے برات کی شان وشوکت غیر متوقع نہ تھی تاہم یہ بات اس کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی کہ مہمانوں کے ساتھ ادھونی کے چند باج گزار مرہٹہ سردار بھی تھے۔ اکبر خاں اس کے قریب

کھڑا شیخ فخر الدین سے انتہائی غصے کی حالت میں کہہ رہا تھا۔ ''شیخ صاحب یہ لوگ پاگل ہوگئے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ میری لڑکی کی برات پر میری قوم کے بدترین دشمنوں کو لے کر آئیں گے۔ مرزا طاہر بیگ کو مرہٹوں کے متعلق میرے جذبات کا علم تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے یہ حماقت کی ہے۔'' اور شیخ فخر الدین اسے سمجھا رہا تھا۔ ''بیٹا! تم نے ادھونی کے شاہی خاندان سے رشتہ جوڑا ہے۔ اور یہ لوگ ادھونی کے باج گزار ہیں۔ اگر تم طاہر بیگ کو پیغام بھیج دیتے تو وہ یقیناً تمہارے جذبات کا احترام کرتا۔ لیکن اب تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔''

براتی اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں سے اُتر کر وسیع شامیانے کے نیچے جمع ہو رہے تھے اور گاؤں کے لوگ ان کے گھوڑے اور ہاتھی سنبھالنے میں مصروف تھے۔

رات کے وقت کھانا کھلانے کے بعد مہمانوں کو ان کی حیثیت کے مطابق مختلف خیموں میں جگہ دی گئی۔ دولہا اور اس کے خاندان کے بعض افراد اور رادھونی کے چند معززین کو مکان کے مردانہ حصے میں ٹھہرایا گیا۔ مراد علی دیر تک مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف رہا۔ اور بالآخر شامیانے کے نیچے پڑی ہوئی ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ اچانک اسے شہباز خاں کی آواز سنائی دی۔ ''مراد علی! مراد علی!'' اور اس نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ ''بھائی جان میں یہاں ہوں۔ کیا بات ہے؟''

شہباز نے اس کے قریب آ کر کہا۔ ''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ چلیے آپ کو ابا جان بلا رہے ہیں۔''

مراد علی اس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد مکان کے مردانہ حصے کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے اندر شیخ فخر الدین بستر پر لیٹا ہوا تھا اور اکبر خاں اس کے قریب دوسری چارپائی پر بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے مراد علی کو

دیکھتے ہی کہا۔ ”بیٹا تم کہاں چلے گئے تھے؟“

”چچا جان میں باہر شامیانے کے نیچے لیٹ گیا تھا۔“

اکبر خاں نے کہا۔ ”تمہارا خیال ہے کہ آج میرے گھر کے اندر تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں؟“

”نہیں چچا جان، میرا خیال تھا کہ یہاں صرف مہمانوں کو ٹھہرنا چاہیے۔“

”میرے نزدیک کوئی مہمان تم سے بہتر نہیں، تم یہاں آرام کرو۔“

مراد علی کچھ کہے بغیر ایک بستر پر لیٹ گیا۔

☆

اگلے روز اکبر خاں کے گاؤں میں ایک میلے کا سا سماں تھا۔ مہمانوں کا ایک گروہ شامیانے کے نیچے جمع ہو کر قوالی سن رہا تھا۔ بعض مہمان اپنے خیموں کے اندر بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ اور بعض کھلے میدان میں جمع ہو کر نیزہ بازی اور نشانہ بازی کے مقابلوں میں حصہ لے رہے تھے۔ دولھا اور اس کا باپ چند معززین کے ساتھ حویلی کی چاردیواری کے اندر ایک شامیانے کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

ہاشم بیگ ایک خوش وضع نوجوان تھا اور دولھا کے لباس میں ایک شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دائیں طرف شیخ فخر الدین اور اکبر خاں اور بائیں طرف طاہر بیگ اور اس کے خاندان کے چند عمر رسیدہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مراد علی ہاشم بیگ کے پیچھے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ملک کے ماضی اور حال کے واقعات پر گفتگو ہو رہی تھی اور ادھونی کے سیاست دان اور فوجی افسر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ کسی نے سلطان ٹیپو کا ذکر چھیڑ دیا اور مراد علی اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سلطان ٹیپو کی ذات کئی زبانوں کے زہر آلودہ تیروں کا

ہدف بن چکی تھی۔

ادھونی کے ایک سردار نے کہا۔ ''ٹیپو اس ملک کا مغرور ترین آدمی ہے۔ وہ کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے آپ کو حضور نظام الملک سے بھی بڑا سمجھتا ہے۔''

دُوسرا بولا۔ ''ٹیپو اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے وہ ہماری تہذیب اور روایات کا بدترین دشمن ہے۔ وہ اُونچ اور نیچ کی تمیز مٹانا چاہتا ہے۔ اس کے دربار میں کورنش بجالانے یا جھک کر سلام کرنے کی ممانعت ہے وہ اپنے سامنے کسی رذیل ترین آدمی کا بھی سر جھکا کر کھڑا ہونا پسند نہیں کرتا وہ اسلام کی آڑ لے کر اس ملک کے شرفاء کو رذیلوں اور بھکاریوں کے ہاتھوں ذلیل کروانا چاہتا ہے۔ میسور میں ادنیٰ اور اعلیٰ کو ایک سطح پر لانے کا جو تجربہ اس نے شروع کیا ہے۔ اس کے نتائج اس ملک کے تمام حکمرانوں کے لیے بے حد خطرناک ہوں گے۔ اس نے اپنی رعایا کے ادنیٰ لوگوں میں ایک نیا احساس پیدا کر دیا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے عوام کسی نہ کسی دن میسور کے حالات سے ضرور متاثر ہوں گے۔ ہم یا تو انھیں اپنے مساوی درجہ دینے پر مجبور ہو جائیں گے یا ہمیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ان کے ساتھ ایک تباہ کن جنگ لڑنی پڑے گی۔''

ادھونی کے ایک فوجی افسر نے کہا۔ ''ٹیپو جیسا بے تدبیر انسان ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اس نے ساری دُنیا کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے اور وہ جس طوفان کو مدت سے دعوت دے رہا ہے وہ بہت جلد میسور کی سرحدوں پر نمودار ہونے والا ہے۔ اس دفعہ ہم اور ہمارے انگریز اور مرہٹہ اتحادی پُرانی غلطیوں کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اب ہماری پہلی منزل سرنگا پٹم ہوگی۔''

ایک مرہٹہ سردار بولا۔ ''صاحبان ہمیں اس کی فوجی قوت سے کوئی خطرہ نہیں

لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر ہم نے متحد ہو کر اس کے خلاف فوراً کارروائی نہ کی تو چند سال بعد ہمیں پچھتانا پڑے گا۔ میسور کے وہ شرفا جو اپنی خاندانی عزت اور وقار بچانے کیلیے آج ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ ایک ایک کر کے مغلوب ہوتے جائیں گے۔ ٹیپو جسے بعض لوگ ایک بے تدبیر انسان سمجھتے ہیں۔ اپنی رعایا کی محبت خریدنا جانتا ہے۔ اس نے عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہزاروں گھرانے سرکاری زمینوں پر آباد کر دیے ہیں۔ وہ بنجر علاقے جہاں اناج کا ایک دانہ پیدا نہیں ہوتا تھا اب لہلہاتے کھیتوں اور باغوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس نے لاکھوں انسانوں کو کنوئیں اور نہریں کھودنے اور سڑکیں بنانے کے کام پر لگا دیا ہے۔ اس لیے یہ لوگ اسے اپنا دیوتا سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ہمیں میسور کی فوج اور میسور کے عوام کی متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

مرزا طاہر بیگ نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔''جی، آپ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ آپ ہماری تیاریوں سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ ہم لوگ صرف حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔''

اکبر خاں بے چینی کی حالت میں کرسی پر بیٹھا بار بار پہلو بدل رہا تھا اور شیخ فخر الدین بار بار اُس کے کان میں کہہ رہا تھا۔''نہیں بیٹا، حوصلے سے کام لو۔ تمہیں اس معاملے میں زبان نہیں کھولنی چاہیے۔''

مراد علی کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا اور وہ اچانک اُٹھ کر چلایا،'' مرزا صاحب اگر حکم سے آپ کا مطلب انگریزوں کا حکم ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس محفل میں زبان کھول

رہاہوں۔ آپ اس شخص کے مہمان ہیں جسے می اپنا باپ سمجھتا ہوں۔لیکن آپ نے اس شخص کوموضوع بحث بنایا ہے جسے میں صرف میسور ہی نہیں بلکہ پورے ملک کی عزت اور آزادی کا آخری محافظ سمجھتا ہوں۔"

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا۔ ادھونی کے مغرور اُمراء حیرت، پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اس نوجوان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس کی موچھوں کے بال ابھی تک سیاہ نہیں ہوئے تھے۔مرادعلی کی نگاہیں ساری محفل کو دعوتِ مبازرت دے رہی تھیں۔اس نے کہا۔" آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ سلطان ٹیپو نے اپنے دربار میں کورنش بجالانے کی رسم بند کردی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے سلطان کوصرف ان چندلوگوں کی نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے حکومت کی کرسیوں پر بیٹھ کرصرف اپنے ہم جنسوں کو ذلیل کرنا سیکھا ہے۔سلطان ٹیپو ایک حکمران ہے لیکن حکمران سے کہیں زیادہ وہ اپنے آپ کو ایک انسان سمجھتا ہے۔اور اسے انسانیت کی تذلیل گوارا نہیں۔اس نے زندگی کے آداب انسانیت کے اس عظیم ترین محسن سے سیکھے ہیں۔جس نے کالے اور گورے، ادنٰی اوراعلٰی کافرق مٹایا تھا۔جس نے ایک حبشی غلام کو خاندانِ قریش کے دوش بدوش کھڑا کردیا تھا۔

آپ کو یہ اعتراض ہے کہ سلطان ٹیپو ساری دنیا کے ساتھ قوت آزمائی کرنا چاہتے ہیں۔لیکن آپ اس بات سے بے خبر نہیں ہوسکتے کہ اس وقت بھی ان کے ایلچی پونا اور حیدرآباد کے حکمرانوں کو امن اور صلح کا پیغام دے رہے ہیں۔

آپ کو یہ شکوہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے بھوکے اور ننگے انسانو کو خوش حالی اور آسودگی کا راستہ دکھا کر ایسے معاشرے کی طرح ڈال رہا ہیں جو اس ملک سے اونچ

اور نیچ کا امتیاز مٹا دے گا۔ اور یہ آپ کے خلاف ایک سازش ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ انسانیت کے ان دشمنوں کی سازش کا جواب ہے جنہوں نے اس ملک کے کروڑوں انسانوں کو صدیوں تک ان کے پیدائشی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔

آپ کو اپنی اور اپنے انگریز اور مرہٹہ ساتھیوں کی فوجی قوت پر ناز ہے لیکن میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اب میسور ان لوگوں کی شکارگاہ نہیں رہا۔ جنہوں نے بھوکے، نادار اور بے بس انسانوں کو پاؤں تلے روندنا سیکھا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا دفاعی حصار ہے۔ جو عزت اور آزادی کی فضا میں سانس لینا سیکھ چکے ہیں۔ وہاں آپ کا مقابلہ کسی ایسے حکمران سے نہیں ہوگا۔ جس نے اپنی رعایا کی ہڈیوں پر عشرت کدے تعمیر کیے ہوں۔ بلکہ ایک ایسے حکمران سے ہوگا جو اپنے خون اور پسینے سے اپنی رعایا کی پرورش کر رہا ہے۔

میں اس ملک کے مستقبل کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ سلطان ٹیپو کی فتح انسانیت کی فتح ہوگی۔ اور ان کی شکست حیدرآباد یا پونا کی افواج کی بجائے ان لٹیروں اور رہزنوں کی فتح ہوگی جو سات سمندر عبور کرنے کے بعد اس ملک کی عزت اور آزادی کے خلاف اعلان جنگ کر چکے ہیں۔ آج آپ لوگ سلطان ٹیپو کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ اگر میسور میں ان کا پرچم سرنگوں ہوا تو وہ دن دور نہیں جب اس ملک کے تمام حکمران یہ کہیں گے کہ وہ مجاہد جس کا تاج اُتار کر ہم نے انگریزوں کے قدموں میں ڈالا تھا۔ اس ملک کی آزادی کا آخری محافظ تھا۔"

مراد علی نے اپنی تقریر ختم کی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا شامیانے سے باہر نکل آیا۔ محفل کا سکوت ٹوٹ چکا تھا۔ اور حاضرین ایک دوسرے سے کانا پھوسی

کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بلند آواز میں احتجاج کررہے تھے۔ ''یہ کون تھا؟۔ٹیپو کا جاسوس یہاں کیسے آگیا؟ اس کی زبان نوچ ڈالنی چاہیے۔''

اکبر خاں نے اپنی کرسی سے اٹھ کر کہا۔ ''آپ لوگ اس محفل میں اگر ٹیپو کو موضوع بحث نہ بناتے تو یہ ناخوشگوار سورت پیدا نہ ہوتی۔ مراد علی ٹیپو کا سپاہی ہے۔ اس کے والد اور اس کے دو بھائی ٹیپو کے جنڈے تلے انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں۔ اس کے چچا اور اس کے دادا' اس کے ماموں اور اس کے نانا پلاسی کے معدان میں شہید ہُوئے تھے۔ مجھے اس سے یہ توقع نہ تھی کہ کسی محفل کا خوف یا احترام اسے کوئی غلط بات سُننے پر مجبور کردے گا۔ مجھے سرنگا پٹم' پونا یا حیدر آباد کی سیاست سے کوئی دل چسپی نہیں اور آپ حضرات سے میں یہ عرض کروگا کہ آپ لوگ یہ اپنی جنگی قابلیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک شادی کی تقریب پر جمع ہوئے ہیں۔''

ادھونی کے ایک سردار نے کہا۔ '' لیکن اس نے ہماری توہین کی ہے ہم کل کے بچے کی یہ زبان درازی برداشت نہیں کرسکتے۔''

ایک خوش پوش اور بارُعب آدمی جو طاہر بیگ کے قریب بیٹھا ہُوا تھا' اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے کہا۔ ''بھئی اس نے ہماری توہین نہیں کی۔ اس نے تمہیں یہ سمجھایا ہے کہ ہر محفل ہر بات کے لیے موزوں نہیں ہوتی۔ اگر وہ نوجوان ٹیپو کا سپاہی ہے تو ہمیں اس کی جرات اور ہمت کی داد دینی چاہیے۔ اس نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور ادھونی کی فوج کے افسروں کے سامنے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ اب ہمیں کسی اور موضوع پر گفتگو کرنی چاہیے۔''

یہ میر نظام خاں کا بھتیجا امتیاز الدولہ تھا اور اس کے الفاظ حاضرین کے لیے

ایک حکم کا درجہ رکھتے تھے۔

مراد علی انتہائی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں ڈیوڑھی سے باہر کھڑا تھا۔ شہباز خاں باہر نکلا اور یہ کہہ کر اس کے قریب سے گزر گیا۔ ''مراد تم نے اچھا نہیں کیا۔''

مراد علی نے اپنے دل پر ایک جھٹکا محسوس کیا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ '' آپ نے آپا جان کی شادی کے خرمے نہیں کھائے؟''

مراد علی نے مڑ کر دیکھا اور ثمینہ نے اپنی جھولی کھول کر اس کے آگے کر دی۔ ''لیجیے!'' اس نے کہا۔

مراد علی نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک خرمہ اٹھا لیا۔

ثمینہ نے کہا۔ ''نہیں اور لیجیے۔ یہ سب آپ کے لیے ہیں۔ کچھ کھا لیجیے اور باقی سرنگا پٹم لے جائیے۔''

مراد علی نے کہا۔ ''ثمینہ تم انہیں اپنے پاس رکھو۔ جب میں یہاں سے جاؤں گا تو لے لوں گا۔''

اکبر خاں ڈیوڑھی سے نمودار ہوا اور مراد علی نے محسوس کیا کہ اب اسے شاید کسی انتہائی ناخوشگوار صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن اکبر خاں اس کی توقع کے خلاف مسکرا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''مراد مجھے ڈر تھا کہ تم روٹھ گئے ہو گے۔ میں نے شہباز کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اس نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کی۔''

مراد علی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُمڈ آئے اور اس نے کہا۔ ''چچا جان میں بہت شرمسار ہوں۔ مجھے اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔''

اکبر خاں نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور مجھے تم پر فخر ہے۔“

”لیکن چچا جان وہ آپ کے مہمان تھے۔“

”تم نے ان کے دماغ درست کر دیئے ہیں۔ امتیاز الدولہ تمہاری باتوں سے بہت متاثر ہوا ہے وہ نظام کا بھتیجا ہے اور اس نے تمہارے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ چلو تم اپنے کمرے میں بیٹھو۔ میں اسے وہاں لے آتا ہوں۔“

مراد علی اور اکبر خاں دوبارہ حویلی میں داخل ہوئے اور ثمینہ وہاں سے کھسک گئی۔ اکبر خاں شامیانے کی طرف چلا گیا اور مراد علی دیوان خانے کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ادھونی کے اُمراء کے سامنے اپنی تقریر کے بعد اسے نظام کے بھتیجے کے ساتھ ملاقات کے تصور سے ایک الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔

چند منٹ بعد اکبر خاں اور امتیاز الدولہ کمرے میں داخل ہوئے اور وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امتیاز الدولہ مصافحہ کرنے کے بعد اس کے قریب بیٹھ گیا اور اکبر خاں نے کہا۔

”اب آپ اطمینان سے باتیں کیجیے۔

اکبر خاں باہر نکل گیا اور امتیاز الدولہ نے مراد علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔” تمہارا نام مراد علی ہے؟“

”جی ہاں“

”سلطان کی فوج میں تمہارا عہدہ کیا ہے؟“

مراد علی نے جواب دیا۔ ”جناب، فوجی مکتب سے فارغ التحصیل ہونے کے

بعد میں ان دنوں رخصت پر ہوں۔ اس کے بعد مجھے چند مہینے کسی رسالے میں ایک ادنیٰ افسر کی حیثیت سے کام کرنا پڑے گا۔ پھر اگر مجھے کسی ذمہ داری کا اہل سمجھا گیا تو کسی دستے کی کمان دی جائے گی۔"

امتیاز الدولہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میں تمہاری باتوں سے بہت متاثر ہوا ہوں اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سلطان ٹیپو کے متعلق دکن کے ہر آدمی کے وہ خیالات نہیں جو تم اس محفل میں سن چکے ہو۔ وہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو انہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ اور جو دکن اور میسور کے موجودہ اختلافات کو اپنے مستقبل کے لیے اچھا شگون خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان میں سے ایک ہوں۔ مجھے نظام الملک اور سلطان ٹیپو کے درمیان کوئی ایسی خلیج نظر نہیں آتی جسے پاٹا نہ جا سکتا ہو۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ میسور اور دکن کے حقیقت پسند اور صحیح الخیال لوگ جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی اجتماعی بقا کے لیے دونوں حکومتوں کے اختلافات دور کرنے کی مخلصانہ کوشش جاری رکھیں۔"

مراد علی نے جواب دیا۔ "اگر آپ کے خیالات یہ ہیں تو میں آپ سے ملنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میسور کا ہر باشعور آدمی پانچوں وقت نماز کے بعد میسور اور دکن کے اتحاد کے لیے دعا کرتا ہے۔ اور وہاں ایک شخص ایسا بھی ہے جس کے ہر سانس کے ساتھ صرف دکن اور میسور ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر مسلمان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں اور وہ سلطان ٹیپو ہیں۔"

امتیاز الدولہ نے کہا۔ "کاش میں بھی تمہاری طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ نظام الملک کے متعلق کچھ کہہ سکتا، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ حضور نظام الملک،

سلطان ٹیپو کو اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ تاہم میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن سلطان ٹیپو میرے جیسے بے بس انسانوں کی طرح حضور نظام کو بھی صحیح راستہ دکھا سکیں گے۔ قدرت نے انہیں جس مقصد کے لیے منتخب کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ جو رہنما تمہاری عمر کے نوجوانوں میں یہ جذبہ پیدا کر سکتا ہے اسے نظام الملک کو متاثر کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں صدقِ دل سے یہ دعا کرتا ہوں کہ سلطان کے ایلچی نظام الملک کو انگریزوں اور مرہٹوں سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو جائیں۔

جب تم اس محفل میں تقریر کر رہے تھے تو میں محسوس کر رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ دکن اور میسور کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو دکن کے لوگ مجھے نظام کے سپاہیوں کی اگلی صف میں دیکھیں گے۔ میں اس کے لیے لڑوں گا میں اپنے سینے پر گولی کھاؤں گا۔ لیکن مرتے دم بھی سلطان ٹیپو کی شکست کے لیے دعا نہیں کر سکوں گا۔ میری آخری خواہش یہی ہوگی کہ دکن اور میسور کے درمیان ایک دائمی اتحاد کا معاہدہ میرے خون کی روشنائی سے لکھا جائے میں بار بار یہ سوچتا ہوں کہ آج تک جنوبی ہندوستان کی سرزمین پر اس ملک کے باشندوں کا جو خون گرا ہے وہ صرف فرنگی استبداد کی آبیاری کے کام آیا ہے۔"

مراد علی خاموشی سے امتیاز الدولہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی گفتگو سے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اور کی بجائے اپنے آپ کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

شیخ فخر الدین کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ باہر قوالی سن رہے ہیں۔"

امتیاز الدولہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ "شیخ صاحب،

یہ ایام قوالی سننے کے لیے موزوں نہیں۔ میں اس نوجوان سے اپنی قوم کے حال اور مستقبل کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔"

شیخ فخر الدین نے واپس دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "تو مجھے اس محفل میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اپنے مستقبل کی منزل بہت قریب نظر آتی ہے۔اور میں ان دنوں صرف اپنے ماضی کے متعلق سوچا کرتا ہوں۔"

امتیاز الدولہ نے کہا۔ "نہیں شیخ صاحب تشریف رکھیے، شاید ماضی کے متعلق آپ کی باتیں سن کر ہم اپنے حال اور مستقبل کی تلخیوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جائیں۔"

شیخ فخر الدین ہنستا ہوا امتیاز الدولہ کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔ "لیکن اگر میرے ماضی کی تلخیاں آپ کے حال اور مستقبل سے زیادہ ہوئیں تو؟"

امتیاز الدولہ مسکرایا۔ "تو ہم آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

شیخ فخر الدین نے کہا۔ "جناب میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میرے پہلو میں دل ہی نہیں ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ معظم علی جیسے لوگ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور میں یہاں بھٹکتا پھروں۔"

"معظم علی کون تھا"

"معظم علی مراد کے والد تھے۔"

"آپ انہیں جانتے تھے؟"

"جی ہاں! اور میرے لیے اپنے مستقبل کے متعلق چند حسین امیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر خدا نے مجھے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت دی تو

میں کسی دن اس نوجوان کو دیکھوں گا جسے جاننا میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت تھی۔"

"آپ انہیں کب ملے تھے؟"

"ہماری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب میں اپنی بہن اور بھانجیوں کے ساتھ دلی سے حیدر آباد آرہا تھا۔اور راستے میں ڈاکوؤں نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا تھا اُس وقت ہمیں چاروں طرف موت دکھائی دیتی تھی۔پھر چند آدمی اچانک ہماری مدد کو پہنچ گئے۔ان میں سے ایک معظم علی اور دوسرا اکبر خاں تھا۔ڈاکو کئی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور میں معظم علی اور اکبر خاں کو دیکھ کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ خدا نے ہماری اعانت کے لیے دو فرشتے بھیج دیے ہیں۔"

اب معظم علی اور اکبر خاں کی شخصیتیں شیخ فخر الدین کی گفتگو کا موضوع بن چکی تھیں اور مراد اور امتیاز الدولہ اس کی باتوں میں ایک رنگین کہانی کی دلکشی محسوس کر رہے تھے۔

شہباز خاں کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا۔"جناب مہمان دستر خوان پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں چلیے۔"

وہ اُٹھ کر باہر نکل آئے۔مراد علی تذبذب کی حالت میں امتیاز الدولہ اور فخر الدین کے پیچھے آرہا تھا۔شہباز خاں نے مراد علی کا بازو پکڑتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔"مراد میں اپنے طرز عمل پر بہت نادم ہوں۔ ابا جان مجھ پر بہت خفا ہوئے تھے۔میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

مراد علی کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور اس نے جواب دیا۔"آپ کو معذرت کی ضرورت نہیں۔میں محسوس کرتا ہوں۔کہ اس محفل میں آپ کی خاطر مجھے

اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔ امتیاز الدولہ سے ملاقات کے بعد مراد علی کی ذہنی الجھن بہت حد تک دور ہو چکی تھی۔ تاہم ادھونی کے باقی مہمانوں کے طرز عمل سے وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ ان کے دلوں پر ابھی تک اس کی تقریر کی تلخی باقی ہے۔ فوج کے عہدہ دار خاص طور پر اس کے ساتھ باتیں کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اسے عام مہمانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن طاہر بیگ اور ہاشم بیگ کی بے اعتنائی اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ اس نے چند بار ان سے ہم کلام ہونے کی کوشش کی۔ لیکن اُن کی نگاہیں بہت حوصلہ شکن ثابت ہوئیں۔

طاہر بیگ کے متعلق وہ یہ سوچ سکتا تھا کہ وہ ایک بڑی عمر کا آدمی ہے اس کے علاوہ ادھونی کا ایک بہت بڑا جاگیردار اور فوج کا ایک اعلیٰ افسر ہونے کی وجہ سے بھی سے ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن ہاشم کو وہ شہباز خاں کی طرح اپنا بھائی سمجھتا تھا۔ اور اسے اس بات کا رنج تھا کہ اسے اکبر خاں کی بیٹی کے شوہر کے سامنے اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کا موقع نہیں ملا۔ وہ بار بار ہاشم بیگ کی طرف دیکھتا۔ اور اپنے دل میں کہتا۔ ''میرے بھائی تم اکبر خاں کے داماد ہو یہ درست ہے کہ تم ادھونی میں پیدا ہوئے ہو اور میں نے سرنگا پٹم میں آنکھ کھولی ہے لیکن ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہو سکتے۔''

اگلے دن برات رخصت ہو چکی تھی۔ شیخ فخر الدین براتیوں کے ساتھ ادھونی جا چکے تھے۔ مراد علی بھی واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اکبر خاں نے اصرار کر کے دو دن اور اسے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ تیسرے دن وہ رخصت ہوتے وقت یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ مدتوں اکبر خاں کے گھر میں رہ چکا ہے۔ اور وہ بلقیس کی دعائیں لینے کے بعد گھر سے نکلا۔ اکبر خاں، شہباز خاں اور ثمینہ دروازے تک اس کے

ساتھ آئے۔ ڈیوڑھی سے باہر گاؤں کے کئی آدمی اسے خدا حافظ کہنے کے لیے کھڑے تھے۔ اکبر خاں دونو جوانوں کو میسور کی سرحد تک مراد علی کا ساتھ دینے کا حکم دے چکا تھا۔ اور وہ اپنے گھوڑوں سمیت دروازے پر کھڑے تھے۔ جب وہ اکبر خاں اور شہباز سے بغل گیر ہونے اور گاؤں کے دوسرے آدمیوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ثمینہ کی طرف متوجہ ہوا تو ثمینہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو اُمڈ آئے۔ اُس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''چچا جان تو یہ کہا کرتے تھے کہ تم کبھی نہیں رویا کرتی۔''

ثمینہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ لیکن جب وہ گھوڑے پر سوار ہوا تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کی رکاب پکڑتے ہوئے کہا۔ ''میں نے وہ چھوہارے آپ کی خورجین میں ڈال دیے تھے اور مٹھائی بھی۔

پانچواں باب

ایک دن جین فرحت کے مکان کے اس کمرے کا جائزہ لے رہی تھی ۔ جس میں اس نے اپنے شوہر اور دو بڑے بیٹوں کی یادگاریں جمع کر رکھی تھیں ۔ دیوار کے ساتھ کھونٹی پر ٹنگی ہوئی ایک تلوار کی خوب صورت نیام ذرا گرد آلود تھی ۔ جین برابر کے کمرے ایک کپڑا اٹھا لائی اور اس نے تمام چیزوں کی صفائی شروع کر دی ۔ تلواروں، بندوقوں اور دوسرے ہتھیاروں کی گرد جھاڑنے کے بعد اس نے ایک الماری کھولی اور کتابوں کو صاف کرنا شروع کر دیا ۔

فرحت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا ۔" بیٹی تم یہاں کیا کر رہی ہو اندر گرمی ہے آؤ باہر بیٹھیں ۔"

جین دو تین الفاظ سے زیادہ نہ سمجھ سکی ۔ اور اس نے ایک کتاب سے گرد جھاڑ کر الماری میں رکھتے ہوئے فرحت کو فرانسیسی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی ۔

فرحت نے کہا ۔" کاش میں تمہاری زبان سمجھ سکتی ۔ یہ دیکھو انور علی کا خط آیا ہے سمجھتی ہو خط !"

فرحت کے ہاتھ میں کاغذ دیکھنے اور انور علی کا نام سننے کے بعد جین کے لیے سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ اس خط کے متعلق کچھ کہہ رہی ہے ۔ اس نے کاغذ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا ۔

انور علی ۔۔۔۔۔؟

انور علی کا خط فرحت نے فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا ۔

جین انور علی کا خط ۔۔۔۔۔ انور علی کا خط ۔ کہہ کر ہنس پڑی ۔

فرحت نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ کاش میں تمہیں سمجھا سکتی کہ اس میں کیا لکھا ہے! چلو باہر بیٹھیں یہاں بہت گرمی ہے۔ جین کچھ سمجھے بغیر اس کے ساتھ باہر نکل آئی اور وہ صحن میں ایک درخت کے نیچے موڈھوں پر بیٹھ گئیں۔ مراد علی باہر کے دروازے سے نمودار ہوا۔ اور اس نے قریب آ کر کہا۔ امی جان میں ایک اہم خبر لایا ہوں۔ ہماری فوج پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔ پھر وہ جین کی طرف متوجہ ہو کر فرانسیسی زبان میں بولا۔ میں نے امی جان کو یہ خبر سنائی ہے کہ ہماری فوج پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔ اور میں آپ کے لیے بھی ایک خوش خبری لایا ہوں۔ موسیو لیگرانڈ دیوان خانے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

جین نے حیران ہو کر کہا۔ وہ آ گیا ہے؟ لیکن مجھے اس نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ پچھلے خط میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ وہ سرنگا پٹم آ رہا ہے۔

مراد علی نے جواب دیا۔ ان کی فوج شمال کی طرف جا رہی ہے اور وہ ایک ہفتہ کے لیے رخصت لے کر آئے ہیں۔ وہ مجھے راستے میں ملے تھے۔

جین نے انور علی کا خط جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ مراد علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے بھائی کا خط ہے۔ مراد علی نے کاغذ پکڑتے ہوئے اپنی ماں سے پوچھا۔ امی جان یہ کب آیا ہے؟ ابھی آیا ہے بیٹا۔ میری سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ میں تمھاری عدم موجودگی میں جین سے باتیں نہیں کر سکتی۔ تم اسے خط پڑھ کر سُنا دو۔

مُراد علی نے خط کھول کر دیکھا۔ اور جین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ آپ لیگرانڈ سے مل آئیں۔ پھر آپ کو بھائی جان کا خط پڑھ کر سُنا دوں گا۔

نہیں میں ابھی سُننا چاہتی ہوں۔

مراد علی نے انور علی کے خط کا فرانسیسی ترجمہ شروع کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

امی جان میں بخیریت ہوں۔ اُمید ہے کہ مُراد چچا اکبر خاں کے گاؤں سے واپس آ گیا ہو گا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جین آپ کے ساتھ خوش رہتی ہے اور اس کی صحت بہتر ہو رہی ہے۔ ہم آج اپنے مستقر سے شمالی سرحد کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ جنگ کے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور مجھے ہر لمحہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

دلاور خاں کی صحت اب خراب رہتی ہے اور میرا ارادہ ہے کہ اسے گھر بھیج دیا جائے۔ اس عمر میں اسے آرام کی بہت ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ وہ اگلے مہینے آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ مجھے گزشتہ دو ماہ سے لیگرانڈ کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اگر جین کے پاس اس کا کوئی خط آیا ہو تو مجھے ضرور بتا دیں کہ وہ کس حال میں ہے۔۔

االسلام آپ کی دُعاؤں کا طالب

انور علی۔

فرحت نے جین سے مخاطب ہو کر کہا۔ بیٹی جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔

مُراد علی نے فرانسیسی زبان میں فرحت کی ترجمانی کر دی اور جین اُٹھ کر مکان کے مردانہ حصے کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لیگرانڈ کے سامنے کھڑی یہ کہہ رہی تھی۔ معاف کیجیے آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ انور علی کا خط آیا تھا اور میں مُراد علی سے اُس کا ترجمہ سُن رہی تھی۔

وہ ٹھیک ہے نا؟

ہاں۔

لیگرانڈ نے کہا۔ جین بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

وہ بیٹھ گئی۔

لیگر انڈ بولا۔ میرا ساتھی بنگلور سے شمال کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ اور مجھے اس شرط پر ایک ہفتے کی چھٹی دی گئی ہے کہ سرنگا پٹم سے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔ وہ پرسوں تک پہنچ جائیں گے۔ اور تین چار دن تک یہاں قیام کریں گے۔ موسیو لالی نے مجھے کہا تھا کہ جنگ کے امکانات بہت بڑھ گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ تمہیں دیر تک سرنگا پٹم سے دُور رہنا پڑے۔ ان حالات میں اگر تم شادی کرنا چاہو تو یہ موقع ہے۔ جین اگر تم پسند کرو تو چار دن بعد میرے تمام فرانسیسی دوست ہماری شادی میں شریک ہوسکیں گے۔ اور ہمارے دستے کا پادری ہماری شادی کی رسومات ادا کر دے گا۔ مجھے انور علی کی غیر حاضری کا افسوس ہوگا۔ لیکن تم سمجھ سکتی ہو کہ ہم کیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔

جین چند ثانیے گردن جھکائے سوچتی رہی اور لیگر انڈ اس کے چہرے کے اثار سے اس کے دل کی صحیح کیفیت کا اندازہ نہ لگا سکتا۔ اس نے کہا:

جین پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اگر تمہیں اعتراض ہو تو ہم کسی بہتر وقت کا انتظار کر سکتے ہیں۔ لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ میرے متعلق تمہارے خیالات کیا ہیں۔ ہماری رفاقت چند حادثات کا نتیجہ تھی۔ تاہم میں یہ فرض کر چکا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ اور تمہارے بغیر میرے لیے یہ دنیا کوئی معنی رکھتی۔ مریشس سے روانہ ہوتے وقت میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دوبارہ ملنے کے بعد ہم ایک دن کے لیے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا پسند کریں گے۔ لیکن اب میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے لیے میری رفاقت زندگی کا ایک مسئلہ تو ہوسکتی ہے لیکن زندگی کا اہم ترین مسئلہ نہیں بن سکتی۔

جین نے کہا۔لیگر انڈ تمہیں یہ شکایت ہے کہ میں یہاں کیوں ٹھہری ہوں تو اس وقت تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔

نہیں جین تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔میں ان لوگوں سے متعارف ہونا اپنے لیے قدرت کا سب سے بڑا انعام سمجھتا ہوں۔میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم ایک دریا کے مختلف کناروں پر رہتے تھے۔پھر قدرت نے اٹھا کر ہمیں منجدھار میں پھینک دیا اور ہم نے اضطراری حالت میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔اب طوفان گزر چکا ہے اور ہم ساحل پر پہنچ چکے ہیں۔اب تمہیں زندگی کی نئی منازل کی طرف قدم بڑھانے کے لیے میرا ہاتھ پکڑنے کی ضرورت نہیں۔میں تمھارے لیے سہارا نہیں بن سکتا۔اب میں تمہیں یہ موقع دینا چاہتا ہوں کہ تم ماضی کے تمام واقعات کو نظر انداز کر کے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کرو۔اگر تمھارا یہ فیصلہ ہو کہ تم میری رفیقۂ حیات بن کر خوش رہ سکتی ہو تو میں اس غریب الوطنی میں بھی یہ محسوس کروں گا کہ دنیا میرے قدموں میں ہے لیکن اگر تم یہ محسوس کرو کہ میں اس قابل نہیں تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔

جین نے کہا۔لیگر انڈ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے تمہیں دُکھ پہنچا ہو۔

نہیں جین تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔تم ایسی بات کر ہی نہیں سکتی۔تم بہت رحم دل ہو لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ تم صرف رحم اور مروت کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا مستقبل ایک ایسے آدمی کو سونپ دو جس کی رفاقت سے تمہارے سینے میں زندگی کے تمام ولولے سرد ہو کر رہ جائیں۔

جین مسکرائی۔اگر میں یہ کہوں کہ میرے دل میں اب زندگی کی کوئی تڑپ یا

ولولہ باقی ہی نہیں رہا تو تم کیا کہو گے؟

لیگرانڈ نے جواب دیا۔جین میری باتوں کو مذاق میں نہ ٹالو۔میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ شادی کے متعلق تم اپنے کسی سابقہ فیصلے کی پابند نہیں ہو۔ اور تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ میں کہاں تک تمہاری توقعات پوری کرسکتا ہوں۔

جین نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔لیگرانڈ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔خُدا کے لیے یہ تو سوچو تمہارے سوا دنیا میں میرا کون ہے۔

لیگرانڈ نے پریشان ہو کر کہا۔مجھے معاف کر دو۔جین مجھے معلوم نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔میں زندگی کی ہر مُصیبت برداشت کرسکتا ہوں لیکن تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

جین نے کہا۔لیگرانڈ اگر میرے طرزِ عمل سے تمہیں کوئی دُکھ ہوا ہے تو میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔میری پریشانی کی بڑی وجہ کچھ اور تھی۔ابھی مراد علی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بھی پرسوں یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔ان حالات میں کس منہ سے اس کی ماں کو یہ خبر سُنا سکتی ہوں کہ ہم نے اچانک شادی کا فیصلہ کرلیا ہے۔انور علی، مراد علی اور ان کی والدہ سے زیادہ اس دنیا میں ہمارا کوئی دوست نہیں، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم شادی کے لیے اس دن کا انتظار کریں جب وہ دونوں بھائی گھر پر موجود ہوں اور ان کی والدہ جنہیں اب میں بھی اپنی ماں سمجھتی ہوں ہماری خوشی میں حصہ لے سکیں۔

لیگرانڈ کے چہرے سے رنج و ملال کے بادل چھٹ چکے تھے وہ مسکرایا جین پیاری جین مجھے معاف کر دو۔میں قیامت تک ایسے دن کا انتظار کرسکتا ہوں۔میں

وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک بہتر حالات پیدا نہیں ہوتے میں اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔



۱۷۸۵ء کی گرمیوں میں گنیش پنت کی کمان میں مرہٹوں کا ایک لشکر دریائے کرشنا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ پیشوا اور نانا فرنویس کی کوششوں سے مرہٹوں میں پھر ایک بار وہ ولولہ پیدا ہو چکا تھا جو پچیس برس قبل انہیں پونا سے پانی پت کے میدان تک لایا تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض سے مرہٹہ سردار اپنی اپنی افواج کے ساتھ پیشوا کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ ناگپور سے مدھوجی بھونسلے بارہ ہزار آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا۔ اندور سے تکوجی اپنے توپ خانے کے علاوہ بیس ہزار پنڈارہ فوج کے ساتھ میسور پر چڑھائی کے لیے تیار تھا۔ پرس رام بھاؤ اور رگھوناتھ راؤ کی افواج بھی میسور پر یلغار کرنے کے لیے نانا فرنویش کے حکم کا انتظار کر رہی تھی۔

ان عظیم تیاریوں کے بعد نانا فرنویس کے ایلچی میر نظام علی پر ڈورے ڈال رہے تھے۔ میر نظام علی ٹیپو کے بدترین حاسدوں اور بدخواہوں میں تھا۔ تاہم میسور کے خلاف جنگ کی صورت میں اپنے نقصانات کا اندازہ کرتے ہوئے اسے سخت اُلجھن محسوس ہوتی تھی۔ اسے اپنی قوت پر ناز تھا لیکن ماضی کے تجربات اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھے کہ طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے میسور کی سرزمین موزوں نہیں ہے۔ وہ کچھ عرصہ نانا کے وکیل کو ٹالتا رہا لیکن جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ مرہٹے میسور پر حملہ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور وہ تنہا اپنی قوت سے سلطنتِ خداداد پر ضرب کاری لگا سکتے ہیں تو وہ جنگ میں شرکت کے لیے تیار ہو

گیا۔ متحدہ افواج کے ابتدائی مستقر کے لیے اردگر کا مقام منتخب کیا تھا اور اس نے نومبر کے آخر میں پینتیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں کا رُخ کیا۔

نظام کے اردگر پہنچنے کے چند دن بعد ملک کے طول و عرض سے مرہٹوں کی ایک لاتعداد فوج وہاں جمع ہو چکی تھی۔ مرہٹوں کا پڑاؤ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ مرہٹہ سپاہیوں کے حوصلے بڑھانے کے لیے وہ پروہت، جوگی اور سادھو بھی وہاں پہنچ چکے تھے، جو سلطان ٹیپو کی شخصیت کو جنوبی ہندوستان میں ہندو غلبہ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اس فوج میں وہ رہزن اور لٹیرے بھی شامل ہو گئے تھے جنہیں صرف میسور کی دولت کے ساتھ دلچسپی تھی۔

نظام کا اس جنگ میں شریک ہونا خالصتہً ایک سیاسی مسئلہ تھا۔ تاہم درباری گویے، شاعر اور خوشامدی اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ اپنے دور کا سب سے بڑا غازی ہے۔ فتح کی اُمید پر فتح کے جشن شروع ہو چکے تھے۔ میر نظام علی رقص و سُرور کی محفلوں میں مرہٹہ راجوں اور چیدہ چیدہ سرداروں کے درمیان میرِ مجلس کی حیثیت سے بیٹھتا تھا۔ شراب کے دور چلتے تھے۔ رقاصاؤں، گویوں اور سازندوں پر سونے چاندی کے سکوں کی بارش ہوتی تھی اور پھر جب یہ محفلیں برخاست ہوتی تھیں اور یہ لوگ کسی خیمے میں جمع ہو کر جنگ کی تجاویز پر غور کرتے تھے تو سب سے زیادہ بحث اس بات پر ہوتی تھی کہ فتح کے میسور کی زمین اور خزانے کس طرح تقسیم ہونے چاہییں۔ قریباً ڈیڑھ ماہ کی بحث و تمحیص کے بعد میر نظام علی اور مرہٹہ حکمرانوں کے مابین جنگ کی تفصیلات اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق سمجھوتہ ہو چکا تھا اور پڑاؤ میں ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ حیدآباد اور پونا کے ایک عام سپاہی سے لے کر بڑے سے بڑے افسر

تک ہر شخص کی آواز یہ تھی کہ اب کی سلطان ٹیپو کے لیے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

چند دن بعد اد گرد سے مسلح افواج کا یہ سیلاب عظیم جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ مرہٹوں کا لشکر اسی ہزار سواروں اور چالیس ہزار پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا اور میر نظام علی کے جھنڈے تلے چالیس ہزار سوار پچاس ہزار پیادہ سپاہی تھے۔ نانا فرنویس، میر نظام علی کی طرح انگریزوں کو بھی اس جنگ میں شامل کرنے کی ہر امکانی کوشش کر چکا تھا۔ لیکن انگریزوں کے پرانے زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوئے تھے اور وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے تاہم نانا فرنویس اور میر نظام علی کو اس بات کا یقین تھا کہ جب انگریزوں کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ سلطان ٹیپو ان کی لاتعداد فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو وہ میسور کی تقسیم میں حصہ دار بننے کے لیے بلاتوقف میدان میں کود پڑے گے۔ پونا اور حیدرآباد میں انگریزوں کے ایجنٹ انہیں اس بات کا یقین دلا چکے تھے کہ کمپنی سلطان ٹیپو کے ساتھ اپنے سابقہ معاہدوں کا صرف اس وقت تک احترام کرے گی جب تک کہ میسور کی دفاعی قوت باقی ہے۔

میر نظام علی خاں اپنی فوج کی کمان تہور جنگ کو سونپ کر حیدرآباد واپس چلا گیا۔ نانا فرنویس کو بھی زیادہ عرصہ کے لیے پونا سے غیر حاضر رہنا پسند نہ تھا۔ پیشوا کے دربار میں اس کے کئی حریف موجود تھے۔ لیکن مرہٹہ لشکر میں بددلی پھیل جانے کے ڈر سے اس نے کچھ عرصہ کے لیے پونا جانے کا ارادہ بدل دیا۔

شہباز خاں تنویر کو لانے کے لیے ادھونی گیا ہوا تھا اور اس کے والدین گزشتہ آٹھ دس روز سے سخت پریشانی کی حالت میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک دن شہباز خاں کا پتہ کرنے کے لیے اکبر خاں نے گاؤں سے دو سوار روانہ کیے لیکن چند گھنٹوں کے بعد ایک سوار واپس آ گیا اور اس نے یہ کہا کہ شہباز خاں اور تنویر ہمیں

راستے میں ہی مل گئے تھے اور تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے۔

سہ پہر کے وقت شہباز خاں ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ پہنچ گیا۔ کہار تنویر کی ڈولی رہائشی مکان کے صحن میں لے گئے۔ جہاں گاؤں کی عورتوں کا ایک ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ تنویر لجاتی، شرماتی اور سمٹتی ہوئی ڈولی سے اُتری اور گاؤں کی عورتیں آگے بڑھ بڑھ کر اس سے گلے ملنے لگیں۔ شہباز خاں کچھ دیر مکان کے مردانہ حصے میں اپنے باپ سے باتیں کرتا رہا اور جب گاؤں کی عورتیں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں تو وہ اپنی ماں کو سلام کرنے کے لیے رہائشی مکان میں داخل ہوا۔ بلقیس، تنویر اور ثمینہ ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بلقیس نے اسے دیکھتے ہی شکایت کے لہجے میں کہا۔ بیٹا تم نے ہمیں بہت ہی پریشان کیا۔ اگر ادھونی میں تمہارا اتنا ہی جی لگ گیا تھا تو ہمیں کم از کم خط ہی بھیج دیتے۔

شہباز نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ امی جان تنویر سے پوچھ لیجیے میں بے قصور ہوں۔ یہ ایک مجبوری تھی ورنہ میرا تین دن سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہ تھا۔

کیا مجبوری تھی؟ ماں نے پوچھا۔

شہباز خاں نے جواب دینے کی بجائے ثمینہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ثمینہ تم باہر جاؤ میں امی سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ثمینہ سراپا احتجاج بن کر اٹھی اور منہ بسورتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

شہباز خاں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ امی جان آپ یہ وعدہ کریں کہ آپ مجھ سے خفا نہیں ہوں گی۔

بلقیس نے کہا۔ بیٹا مجھے یقین ہے کہ تم نے کوئی ایسی بات نہیں کی ہو گی جس

سے تمہارے والدین کو شرمسار ہونا پڑے۔ تم پریشان کیوں ہو؟

شہباز نے جواب دیا۔ امی جان صرف یہ ڈر ہے کہ جب ابا جان کو پتا چلے گا تو وہ بہت خفا ہوں گے۔ میں ۔۔۔۔ میں ادھونی کی فوج میں شامل ہو چکا ہوں۔

بلقیس کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ شہباز خاں نے کہا۔ امی جان خدا کے لیے میری طرف اس طرح نہ دیکھیے۔ میرے لیے اس کے طعنے نا قابلِ برداشت تھے۔ میں یہ نہیں سن سکتا تھا کہ میرے ابا جان جنگ سے ڈرتے ہیں۔ میں خالو جان اور ان کے رشتہ داروں کی باتوں سے یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ ہمیں بزدل سمجھتے ہیں۔

بلقیس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور اس نے کہا۔ شہباز! حیدرآباد اور ادھونی کی کسی ماں کا لال تمہارے ابا کو بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ ابھی تک زندہ ہیں جنہوں نے پانی پت کے میدان میں ان کی جرات اور مردانگی دیکھی ہے۔ بتاؤ تمہارے خالو نے کیا کہا تھا؟

خالو جان نے کچھ نہیں کہا امی جان وہ صرف اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ ابا جان جنہیں کسی بڑی فوج کا سپہ سالار ہونا چاہیے تھا۔ اب صرف ایک کسان کی زندگی پر قناعت کر چکے ہیں۔

تمہارے ابا جان بیس سال کی عمر میں ادھونی کے سپہ سالار سے زیادہ جانتے تھے۔

امی جان جہاں تک میرے فوج میں بھرتی ہونے کا تعلق ہے، خالو جان اس معاملے میں بے قصور ہیں۔ یہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ ان کے خاندان کا ہر نوجوان فوج میں ملازم تھا۔ کئی ایسے تھے جو عمر میں مجھ سے بہت چھوٹے تھے۔ جب میں ان سے

ملتا تھا تو ان کا سوال یہی ہوتا تھا کہ تم فوج میں بھرتی کیوں نہیں ہوتے۔تنویر سے پوچھ لیجیے۔ان کے خاندان کی لڑکیاں تک مجھ سے مذاق کرتی تھیں۔

بلقیس نے کہا۔اور تمہاری غیرت جوش میں آ گئی۔مگر تم بھول گئے کہ تمہارے باپ کے لیے تمہاری یہ حرکت کتنی تکلیف دہ ہو گی۔

تنویر نے کہا۔امی جان۔بھائی اس معاملے میں بے قصور ہیں۔میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ فوج میں بھرتی ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے دو تین راتیں وہ سو نہیں سکے۔

فوج کی ملازمت کے متعلق تمہاری خالہ جان کو تمہارے ابا کے خیالات معلوم تھے ان کا یہ فرض تھا کہ وہ اسے سمجھاتیں۔

امی جان انہوں نے سمجھایا تھا۔ انہوں نے بہت مخالفت کی تھی لیکن ان کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ بھائی جان کی جگہ اگر میں ہوتی تو مجھے بھی یہی فیصلہ کرنا پڑتا۔ ابا جان جب یہاں ہجرت کر کے آئے تھے تو حالات اور تھے لیکن اب ادھونی کے کسی بڑے خاندان کے لڑکے کیلئے فوجی ملازمت سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

بلقیس نے کہا۔اب اس مسئلے پر بحث کی ضرورت نہیں۔شہباز تم ایک غلطی کر چکے ہو اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس غلطی کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے۔تمہارے ابا جان کے لیے یقیناً یہ بات نا قابلِ برداشت ہو گی۔ وہ تمہیں کسی صورت فوج میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

شہباز نے کہا۔امی جان میں بھرتی ہو چکا ہوں۔اب شامل نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔وہ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے۔خدا کے لیے ابا جان کو سمجھانے کی کوشش کیجیے۔اور اگر آپ یہ محسوس کرتی ہے کہ آپ اس مسئلہ میں کچھ

نہیں کرسکتیں تو خاموش رہیے۔ میں ادھونی جا کر ان کی خدمت میں خط لکھ دوں گا۔ پھر جب تک ان کا غصہ فرو نہیں ہوگا۔ میں گھر نہیں آؤں گا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ادھونی کا ہر نوجوان فوج میں شامل ہو چکا ہے۔ خالو جان اور ہاشم بیگ بھی فوج میں ملازم ہیں تو میرے فوج میں شامل ہو جانے سے کون سی قیامت آ جائے گی۔ ابا جان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ ہم مہابت جنگ کی رعایا ہیں اور انہیں ادھونی کی حفاظت کے لیے فوج کی ضرورت ہے۔

بلقیس نے جواب دیا۔ بیٹا میرے سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے اس مسئلے میں صرف ایک ماں کا فرض ادا کرنا ہے۔ میں اب یہ کوشش کروں گی کہ میرے بیٹے اور میرے شوہر کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو جائے۔ لیکن جب تک میں تمہارے باپ سے بات نہ کرلوں تمہیں یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔

اگلے روز صبح کی نماز کے تھوڑی دیر بعد اکبر خان دیوان خانے کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ شہباز خان جھجکتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور چند ثانیے تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کے سامنے کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ابا جان آپ نے مجھے بلایا ہے۔

اکبر خاں نے اس کی طرف دیکھے بغیر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ! شہباز بیٹھ گیا۔ باپ کے تیور دیکھ کر وہ اپنے دل میں انتہائی ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ اکبر خان نے اچانک گردن اٹھائی اور اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ شہباز روہیل کھنڈ میں ہمارے قبائل کا یہ رواج تھا کہ جب کسی سردار کا بیٹا اپنی مہم سے کامیاب ہو کر لوٹتا تھا تو اس کے قبیلے کے تمام لوگ خوشیاں مناتے تھے۔ تم اپنے خیال کے مُطابق ادھونی میں ایک بہت بڑا کارنامہ سر

انجام دے کر آئے ہو اور میرے قبیلے کے لوگوں کو خبر تک نہیں ہوئی ۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اپنی غریب الوطنی کے باوجود مجھے اپنا سردار سمجھتے ہیں اور میری خوشی اور غم میں شریک ہونا اپنا فرض خیال کرتے ہیں ۔ جب انہیں یہ پتہ چلے گا کہ میرے بیٹے نے انہیں اپنی زندگی کی پہلی کامیابی کی خوشی میں شامل ہونے کے قابل نہیں سمجھا تو انہیں کتنا افسوس ہوگا ۔

اکبر خاں کا یہ اندازِ گفتگو شہباز کے لیے نیا تھا اور وہ اس تمہید کو ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا ۔ اکبر خاں نے اچانک اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا ۔ تمہیں ادھونی کی فوج کے عہدہ داروں کی قسمت پر رشک آتا ہوگا اور اب شاید تم یہ سمجھتے ہوگے کہ تم شیروں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ تم ان گیدڑوں کے ساتھ جا ملے ہو جنہیں پیٹ بھرنے کے لیے ہمیشہ کسی لاش کی تلاش ہوتی ہے ۔ روہیل کھنڈ سے ہجرت کرنے کے بعد میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ہمارے قبیلے کے لوگوں کو ایک ایسی جائے پناہ مل جائے جہاں یہ محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ پال سکیں ۔ معظم علی نے ہمیں میسور میں آباد ہونے کی دعوت دی تھی لیکن انگریزوں ، مرہٹوں اور میر نظام علی کی جارحانہ عزائم کے باعث میسور کا مستقبل اس وقت مجھے غیر یقینی نظر آتا تھا اور میں روہیل کھنڈ کی تباہی دیکھنے کے بعد ان لوگوں کو جنگ کی آگ سے دُور رکھنا چاہتا تھا ۔ میں یہاں اس شرط پر آباد ہوا تھا کہ مجھے حیدر آباد یا ادھونی کی فوج کے لیے کرائے کے سپاہی مہیا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گی ۔ لیکن تم نے اب بڑھاپے میں مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میرا فیصلہ غلط تھا اور اس ملک میں سلامتی کا راستہ وہی تھا جو معظم علی نے اختیار کیا تھا ۔ اُن کے پاس اتنا کچھ تھا کہ وہ کسی گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر خوش حالی اور فارغ البالی کے دن

بسر کر سکتے تھے لیکن وہ سرنگا پٹم گئے اور حیدر علی کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ یہ جانتے ہوئے کہ میسور میں آزادی کی ہر سانس کے بدلے انہیں اپنی زندگی کی لاتعداد راحتیں قربان کرنی پڑیں گی۔ جب میں نے ان کی اور ان کے دو بیٹوں کی شہادت کی خبر سنی تھی تو میں یہ محسوس کرتا تھا کہ کاش وہ سرنگا پٹم جانے کی غلطی نہ کرتے۔ لیکن آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ جان کنی کے وقت بھی ایسی تکلیف محسوس نہیں کرتے رہے ہوں گے جو اس وقت مجھے محسوس ہو رہی ہے۔ وہ جس موت کی تمنا کرتے تھے وہ میری زندگی سے ہزار گنا بہتر تھی۔ اس وقت ان کی رُوح کو یہ تسکین ہو گی کہ ان کے باقی دو بیٹوں نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہے جو انہیں عزیز تھا۔ تم اگر ادھونی کی فوج کے سپہ سالار بن جاؤ تو بھی میں مرتے وقت یہی محسوس کروں گا کہ میں اس دنیا میں کوئی قابلِ فخر یادگار نہیں چھوڑ سکا۔ میں اپنی جو پونجی خدا کی راہ میں نہیں لٹا سکا۔ وہ مجھ سے چوروں ڈاکوؤں نے چھین لی ہے۔ تم اپنے خالو اور ہاشم بیگ کو دیکھ کر سپاہی بننے کے لیے بے تاب تھے اور میری زندگی کی دوسری غلطی یہ تھی کہ میں نے ایک ایسے خاندان میں تنویر کا رشتہ کر دیا جس کا اولین فرض اس ملک میں اسلام کے بدترین دشمنوں کے لیے کرائے کے سپاہی مہیا کرنا ہے۔

لیکن اب بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم جو قدم اُٹھا چکے ہو وہ واپس نہیں لے سکتے۔ میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ اب تمہیں بزدلی کا طعنہ دیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کی آخری منزل کیا ہو گی۔ لیکن کاش تم اس باپ کی بے بسی کا اندازہ لگا سکتے جس کا بیٹا میدانِ جنگ میں لڑ رہا ہو اور وہ اس کی فتح کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا بھی نہ کر سکتا ہو۔ آج تمہاری ماں میرے پاس سفارش لے کر آئی تھی اور اس نے مجھ سے یہ التجا کی تھی کہ میں تم پر خفا ہونے کی بجائے تمہاری

کامیابی کے لیے دُعا کروں۔ لیکن جب میں نے اسے یہ جواب دیا کہ شہباز دھونی کی فوج کا ملازم ہے اور دھونی کی فتح ان مقاصد کی شکست ہوگی جن کے لیے معظم علی اور اس کے بیٹوں نے جان دی تھی۔ کیا تم یہ دُعا کر سکتی ہو کہ کسی دن تمہارے بیٹے کے ہاتھ انور اور مُراد کے خون سے رنگے جائیں تو اس کے پاس میری بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ صرف یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ دکن اور میسور میں جنگ نہیں ہوگی۔ میں یہ نہیں سوچ سکتی کہ میر نظام علی مرہٹوں اور انگریزوں کے اُکسانے پر میسور پر چڑھائی کر دے گا۔

شہباز خاں کے جسم پر کپکپی طارہ ہو چکی تھی۔ اس نے ملتجی آواز میں کہا۔ ابا جان جب میں بھرتی ہوا تھا تو میرے ذہن میں اس قسم کے سوالات نہیں تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں معظم علی کے بیٹوں کے خلاف ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا۔

اکبر خاں چلایا۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ تم فوج میں بھرتی ہوتے وقت مہابت جنگ اور نظام کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہو۔ اور میں تمہیں غداری کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے صرف کسی کے طعنوں سے تنگ آ کر فوج میں بھرتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ تمہیں ایک مدت سے اس بات کا شوق تھا۔ تم طاہر بیگ کے خاندان کے لوگوں کی نظروں میں اُونچا بننے کے لیے کسی لڑائی میں حصہ لینے سے دریغ نہیں کرو گے۔ تم آج سے ادھونی کی فوج کے سپاہی ہو اور میں آئندہ تمہیں کبھی یہ سوچنے کی دعوت نہیں دوں گا کہ تم میرے بیٹے ہو۔ آج سے ہمارے راستے مختلف ہیں۔

ثمینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ شہباز کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کیلئے صورتِ حالات کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اکبر خاں کا بازو

پکڑتے ہوئے کہا۔ ابا جان چلیے کھانا تیار ہے۔

جب اکبر خاں نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے مُنہ بسورتے ہوئے کہا۔ ابا جان۔ بھائی جان نے کیا قصور کیا ہے؟

کچھ نہیں جاؤ۔ تم باہر کھیلو!

ثمینہ آب دیدہ ہو کر شہباز کی طرف متوجہ ہوئی۔ بھائی جان آپ باہر چلے جائیں۔ ابا جان آج بہت خفا ہیں۔۔

پھر وہ چند ثانیے اکبر خاں کی طرف دیکھنے کے بعد بعلی۔ چلیے ابا جان کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور امی جان آپ کا انتظار کر ہی ہوں۔

اکبر خاں نے اُسے بازو سے پکڑتے ہوئے۔ اپنی گود میں بٹھالیا اور اس نے اپنے ننھے بازو اس کے گلے میں ڈال دیے۔

شہباز خاں اپنے باپ کے چہرے پر ایک ہلکا سا سکون دیکھ کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب طوفان گزر چکا ہے۔

چھٹا باب

نظام اور مرہٹوں کی افواج میسور کی طرف بڑھیں اور انہوں نے شمالی سرحد کی بستیوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد بادامی کا محاصرہ کرلیا۔ بادامی کی حفاظت کے لیے تین ہزار سپاہی متعین تھے۔ اتحادیوں کی فوج تقریباً تین ہفتے شہر پناہ پر گولہ باری کرتی رہی لیکن اسے فصیل توڑنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے ۲۰ مئی ۱۷۸۶ء کے دن یلغار کر کے فصیل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب چاروں طرف سے ہزاروں خندق عبور کر کے سیڑھیوں کی مدد سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے تو انہیں ایک غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ میسور کی فوج نے خندق کے آس پاس جگہ جگہ بارود کی سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ اچانک ایک سمت سے بارود کے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہوا اور آن کی آن میں چاروں اطراف سے حملہ آور فوج کو گرد و غبار اور دھوئیں کے بادلوں نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ حملہ آور سینکڑوں لاشوں اور زخمیوں کو فصیل کے آس پاس چھوڑ کر سراسیمگی کی حالت میں پیچھے ہٹے لیکن تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ فصیل پر یلغار کر رہے تھے۔ شہر کے محافظوں نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا لیکن حملہ آوروں کے سیلاب کے آگے اُن کی پیش نہ کی گئی۔ وہ اپنی بندوقوں، سنگینوں، نیزوں اور تلواروں سے فصیل پر چڑھنے والوں کا راستہ روک رہے تھے۔ لیکن جہاں دشمن کا ایک آدمی زخمی ہو کر گرتا وہاں دس اور اُس کی جگہ لینے کے لیے موجود تھے۔ تھوڑی دیر میں شہر پناہ کے کئی حصوں پر دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا اور میسور کے جانباز گلیوں میں لڑتے ہوئے قلعے کی طرف ہٹ رہے تھے۔ جب یہ لوگ قلعے میں داخل ہو رہے تھے تو دشمن نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کر کے دروازے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قلعے کی فصیل سے

شدید گولہ باری کے باعث انکی پیش نہ گئی۔ حملہ آوروں نے پے در پے یلغار کر کے قلعے کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن میسور کے جانبازوں نے اُن کے حوصلے خاک میں ملا دیے۔ نظام اور پیشوا کے لشکر کو قریباً سولہ سولا شیں چھوڑ کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ قلعے کے محافظوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ لیکن دشمن کی تعداد کے پیشِ نظر اُن کے کنادار کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قلعے کی فوج جن تالاب سے پانی حاصل کرتی تھی، وہ شہر سے میں تھا اور دشمن نے شہر پر قبضہ کر تے ہی پانی بند کر دیا تھا۔ جب پانی کی قلت کے باعث کئی آدمی ہلاک ہو گئے اور کماندار کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آئندہ چند دن میں اسے کوئی کمک نہیں مل سکتی تو اس نے اپنے سپاہیوں کی جان بخشی کی شرط پر قلعہ دشمن کے حوالے کر دیا۔

بادامی کی فتح کے بعد نانا فرنویش نے مرہٹہ افواج کی قیادت ہری پنت کے سپُرد کی اور خود پونا چلا گیا۔ ہری پنت نے گجندرہ گڑھ کے قلعے پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ کافی مضبوط تھا لیکن میسور کے ایک نمک حرام افسر نے دشمن سے رشوت لے کر قلعہ کے دروازے کھول دیے۔

اس سے قبل مرہٹوں کا ایک لشکر گنیش پنت کی قیادت میں کٹھور کے قلعے پر حملہ کر چکا تھا۔ لیکن یہاں ان کا مقابلہ ٹیپو کے نامور سپہ سالار برہان الدین کے ساتھ تھا۔ برہان الدین نے مرہٹوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ پونا کی حکومت نے تکوجی، ہلکر کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ گنیش پنت کی مدد کے لیے پیش قدمی کا حکم دیا۔ ہلکر نے براہِ راست کٹھور کے قلعے پر حملہ کرنے کی بجائے آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اس

اثناء میں شاہنور کا نواب عبدالحکیم ۱ خان سلطان کے ساتھ غداری کر کے مرہٹوں کے ساتھ مل گیا اور مل کر اور گنیش پنت کی افراج کٹھورا کا محاصرہ چھوڑ کر اپنے نئے اتحادی کو مدد دینے کی نیت سے شاہنور کی طرف بڑھیں۔ برہان الدین نے مرہٹوں کا پیچھا کیا اور شاہ نور کے قریب ان پر حملہ کر دیا لیکن نواب شاہ نور اور مرہٹوں کی متحدہ طاقت کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد مرہٹوں نے کٹھورا اور لکشھشور کے اضاع کے چند قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ برہان الدین کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا۔ وہ کمک پہنچنے تک مدافعانہ طریقِ جنگ سے دشمن کو مختلف محاذوں پر زیادہ سے زیادہ دیر الجھانے کے لیے کوشاں رہا۔

انھی ایام میں نظام اور مرہٹوں کی شہ پا کر کورگ کے جنگجو ناءر دوبارہ بغاوت کر چکے تھے اور سلطان ٹیپو کو شمالی محاذ کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ان کی طرف توجہ دینی پڑی۔ کورگ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد سلطان بنگلور پہنچا اور وہاں سے اس نے شمال کی طرف پیش قدمی کی۔ بنگلور سے روانہ ہوتے وقت اس کے ساتھ چالیس ہزار جانباز تھے جو کئی میدانوں میں مردانگی کے

----

۱ حیدر علی نے ۱۷۷۶ء میں عبدالحکیم خاں کو مرہٹوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم کی سزا دینے کے لیے شاہنور پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عبدالحکیم سے اطاعت کا وعدہ لے کر اسے چار لاکھ سالانہ خراج کے عوض شاہنو کی سلطنت واپس دے دی۔ اس کے بعد نواب حیدر علی نے عبدالحکیم کے ساتھ اپنے تعلقات زیادہ

مضبوط بنانے کے لیے اپنی صاحبزادی کی شادی اس کے بڑے بیٹے کے ساتھ کر دی تھی اور اپنے بڑے بیٹے کریم صاحب کا رشتہ نواب شاہنور کی بیٹی کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ حیدر علی نے شاہنور کی سلطنت کا وہ حصہ بھی جو مرہٹوں نے چھین لیا تھا۔ فتح کر کے نواب عبد الحکیم کے حوالے کر دیا۔ لیکن نواب شاہنور نے ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ جب

اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب میسور پر نظام اور مرہٹوں کے لشکر کی فتح یقینی ہے تو اس نے سلطان ٹیپو کے خلاف بغاوت کر دی۔"

جو ہر دکھا چکے تھے۔ راستے میں مختلف مقامات پر باج گزار سرداروں اور پالیگاروں کے دستے اس کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا اور سلطان ٹیپو مرہٹوں کی رسد اور کمک کے راستے مسدود کرنے کے لیے ندیوں، نالوں اور دریاؤں کی طغانیوں سے پورا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

حیدر آباد اور پونا کی افواج کے سپہ سالاروں کو یہ یقین تھا کہ سلطان کا اولین مقصد برہان الدین کی اعانت ہے لیکن ایک دن پونا اور دکن کے حکمران حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ خبر سن رہے تھے کہ شیرِ میسور کی افواج ادھونی کے دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔ ادھونی کا گورنر مہابت جنگ نظام کا بھتیجا بھی تھا۔ اور داماد بھی۔ سلطان ٹیپو جیسے جہاں دیدہ سپاہی کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ میر نظام علی تنگھدرہ کے جنوب میں اپنا مضبوط ترین قلعہ بچانے کے لیے فوراً اس طرف متوجہ ہو گا جب سلطان کی افواج ادھونی کے قلعہ پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ تو مہابت جنگ کے ایلچی نظام اور پیشوا کے دربار میں یہ فریاد کر رہے تھے کہ ادھونی کی حفاظت کا مسئلہ دکن کے حکمران خاندان کی عزت اور وقار کا مسئلہ ہے۔

مہابت جنگ نے تباہی سر پر دیکھی تو ایک خطیر رقم پیش کر کے سلطان کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن سلطان ٹیپو نے اس کے ایلچی کو جواب دیا کہ اگر مہابت جنگ میری دوستی کا طلب گار ہے تو اسے خود میرے پاس آنا چاہیے۔ اگر وہ مرہٹوں کا ساتھ چھوڑ دے تو میری اس کے سات کوئی عداوت نہیں

لیکن مہابت جنگ کو نظام اور مرہٹوں سے اعانت کی پوری اُمید تھی اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سلطان کو چند دن کے لیے جنگ ملتوی کرنے پر آمادہ کیا جائے سلطان ٹیپو کو بھی اس بات کا پورا یقین تھا کہ نظام اور مرہٹے ادھونی کو خطرے میں دیکھ کر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اس لیے وہ مہابت جنگ کو کمک پہنچنے سے پہلے پہلے ادھونی پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔

☆

طاہر بیگ کی بیوی عطیہ اور اس کی بہو تنویر اپنے عالیشان مکان کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں دریچے کے سامنے کھڑی تھیں۔ شہر میں چاروں اطراف سے توپوں اور بندوقوں کے دھماکے سنائی دے رہے تھے اور فضا میں دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ زینے پر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دم بخود ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

ہاشم بیگ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔" ابا جان کا حکم ہے کہ میں آپ کو قلعے کے اندر پہنچا دوں۔ شہر پر دشمن کا دباؤ بڑھ رہا ہے آپ میرے ساتھ چلیں نوکر سامان لے کر آجائینگے، عطیہ نے کہا لیکن تمھارے ابا جان تو کہتے تھے کہ شہر کو چند ہفتوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں؟ ہاشم بیگ نے کہا امی جان آپ جلدی کریں آپ کا وہاں جانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ شہباز خان زخمی ہو گیا ہے

اس کی دیکھ بھال کے لئے کسی اچھے طبیب کی ضرورت تھی اس لئے ہم نے اسے گھر لانے کی بجائے قلعے کے اندر پہنچادیا ہے۔

عطیہ اور تنویر کچھ دیر سکتے کے عالم میں ہاشم بیگ کی طرف دیکھتی رہیں بالآخر تنویر چلائی، خالہ خان آپ کیا سوچ رہی ہیں خدا کے لئے جلدی کیجیے پھر اس نے ہاشم بیگ پر سوالات کی بوچھاڑ کردی بھائی جان کب زخمی ہوئے؟

ان کی حالت اب کیسی ہے؟ خدا کے لئے سچ سچ بتائیے وہ زندہ ہیں نا؟

ہاشم نے جواب دیا ابھی دشمن کی گولہ باری کے باعث شہر کی فصیل کا ایک برج گر پڑا تھا اور وہ نیچے آگئے تھے ہم نے انھیں اینٹوں کے ڈھیر سے نکالا تو ان کے سر اور ماتھے سے خون بہ رہا تھا اب وہ ہوش میں ہیں جراح کا خیال ہے کہ ان کے زخم زیادہ شدید نہیں اور وہ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد عطیہ اور تنویر قلعے کے ایک کمرے میں شہباز کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں شہباز خان بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی خون بند نہ ہونے کے باعث اس کے ماتھے پر پٹی کا کچھ حصہ سرخ ہو چکا تھا شہباز کا چہرہ ایک ناقابل برداشت جسمانی اذیت کا آئینہ دار تھا تاہم وہ بار بار یہ کہ رہا تھا تنویر میں ٹھیک ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں تمھیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پانی مانگا تنویر جلدی سے اٹھ کر پانی کا کٹورا لے آئی عطیہ نے اسے اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ شہباز نے ہاتھ بڑھا کر کٹورا پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ سیدھا کٹورے کی طرف جانے کی بجائے اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا تنویر نے اپنی خلہ کی طرف دیکھا اور بڑی مشکل سے اپنے سسکیاں بند کرتے ہوئے پانی اس کے منہ سے لگا دیا پانی پلانے کے بعد عطیہ نے اس کا سر تکیے پر سر رکھ

کر سسکیاں لینے لگی۔ شہباز نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا خالہ جان اسے سمجھایئے دیکھیے میں بالکل ٹھیک ہوں

تنویر نے کہا بھائی جان آپ مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کریں میں آپ کی بہن ہوں مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا جب میں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

کیا معلوم ہو گیا تھا؟ شہباز نے برہم ہو کر کہا

بھائی جان آپ کی آنکھیں۔

شہباز نے چند ثانیے کوئی بات نہ کی۔ بالآخر اُس نے کہا۔ تنویر سر کے زخم کے باعث کبھی کبھی میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا جاتی ہے۔ لیکن طبیب کہتا تھا کہ یہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔ دیکھو اب میں کمرے کی ہر چیز دیکھ سکتا ہوں۔ اٹھ کر میرے سامنے بیٹھو اور میرا امتحان لے لو۔

عطیہ نے کہا۔ بیٹی سر پر زخم آنے سے کبھی کبھی ایسی حالت ہو جاتی ہے، تمھیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔

شہباز نے کہا۔ تنویر مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ابا جان کو میرے زخمی ہونے کی خبر نہیں دو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے اس حالت میں دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ طبیب نے مجھے بہت تسلی دی ہے۔

شام کے قریب طاہر اور ہاشم بیگ کمرے میں داخل ہوئے۔ شہباز نے ان کے قدموں کی آہٹ پا کر آنکھیں کھولیں اور کہا۔ ”خالہ جان اب میری آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ دیکھیے میں خالو جان اور ہاشم بیگ کو دیکھ سکتا ہوں۔“

طاہر بیگ نے آگے بڑھ کر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”شہباز میں

تمہارے لیے بہت اچھی خبر لایا ہوں۔ تہور جنگ اور ہری پنت چالیس ہزار سواروں کے ساتھ یہاں پہنچنے والے ہیں۔اس کے علاوہ حضور نظام نے حیدر آباد سے مغل علی خاں کو پچیس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کر دیا ہے۔میسور کی فوج بہت جلد محاصرہ اُٹھانے پر مجبور ہو جائے گی۔"

لیکن شہباز کے لیے اس خبر کی کوئی اہمیت نہ تھی۔اس نے سراپا احتجاج بن کر کہا" خالو جان طبیب کو بلایئے میری آنکھوں کے سامنے پھر اندھیرا چھا رہا ہے۔"



سلطان ٹیپو نے تہور جنگ ہری پنت اور مغل علی خاں کی افواج کی آمد کی خبر سنی تو اس نے ادھونی پر فوراً قبضہ کرنے کے لئے چند شدید حملے کیے لیکن ادھونی کے دفاعی استحکامات کے باعث اسے کامیابی نہ ہوئی پھی جب پنسٹھ ہزار سواروں کا لشکر ادھونی کے قریب پہنچ گیا تو سلطان نے شہر پر قبضہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

نظام اور مرہٹوں کی فوئی مداخلت نے اگرچہ سلطان ٹیپو کو ادھونی کے قلع پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا موقع نہ دیا۔لیکن اس کی ایک بہت بڑی جنگی چال کامیاب ہو چکی تھی۔اس نے دشمن کے لئے ایک نیا محاذ کھول کر اس کی بیشتر افواج کو عین اس وقت عریائے تنگبھدرہ عبور کے آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا تھا۔جب کہ برسات شروع ہونے کو تھی اتحادی اگر اپنے جنگی پلان پر عمل کرتے تو وہ دریائے تنگبھدرہ کے پار رسد اور بارود کے ذخیر جمع کرتے اہوا پنے فوجی اڈے قائم کرنے سے پہلے جنوب کی طرف نہ بڑھتے لیکن اب وہ ضروری انتظامات کئے بغیر آگے آ چکے تھے۔ برسات کی آمد آمد تھی اور تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان بیشتر علاقہ جہاں سے انہیں

طغیانی کے دنوں میں رسد ملنے کی امید ہو سکتی تھی ابھی تک سلطان کی افواج کے قبضہ میں تھا۔ ہری پنت اور مغل علی خاں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ برسات کی طغیانیوں کے باعث ان کے لئے رسد اور کمک کے راستے بالکل مسدود ہو جائیں گے۔مہابت جنگ کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ادھونی سے نکال کر رائچور پہنچ جائے مہانے جنگ نے ادھونی کے امرا سے مشورہ کرنے کے بعد ہری پنت کی ہدایات پر عمل تھا چنانچہ ایک دن ادھونی کے قلعے کے دروازے پر ہاتھیوں، گھوروں پالکیوں کی قطاریں دھڑی تھیں مہابت جنگ اور دوسرے روسا اپنے بال بچھوں سمعت ان پر سوار ہو رہے تھے بعض خواتین ڈولیوں میں سوار ہو کر قلعے سے باہر نکل رہی تھی۔ قلعے کے اندر ایک مکان کے سجادہ دمرے میں طاہر بیگ کے خاندان کے چند افراد جمع تھے۔شہباز خان بستر پر لیٹا ہوا تھا اور تنویر سراپا التجا بن کر طاہر بیگ عطیہ اور خانان کی دوسری عورتوں سے کہہ رہی تھی خدا کے لئے بھائی جان کو سفر پر مجبور نہ کیجئے۔ طبیب نے آپ کے سامنے یہ کہا تھا کہ اگر انھوں نے چند ہفتے چلنے پھرنے سے پرہیز نہ کیا تو یہ ہمشہ کے لئے بینائی سے محروم ہو جائیں گے۔

طاہر بیگ نے کہا بیٹی فکر نہ کرو، اس بات کی پوری احتیاط کی جائے گی کہ انہیں راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو میرے نوکر انہیں بستر سمعیت یہاں سے اٹھا کر لے جائیں گے۔

تنویر نے کہا خالو جان خدا کے لئے اس بات پر اصرار نہ کیجیے۔مجھے معلوم ہے کہ راستے میں دشمن ضرور حملہ کرے گا۔اور آپ کے لئے ان کی حفاظت ایک مسئلہ بن جائیں گے۔

طاہر بیگ نے کہا لیکن جب میسور کی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی تو ان کا کیا

رہے گا؟

میں میسور کے سپاہیوں کو جانتی ہوں وہ ایک زخمی اور بے بس انسان پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

ایک عمر رسیدہ عورت نے کہا مرزا صاحب آپ کی بہو کا خیال درست ہے شہباز کے لئے اس حالت میں سفر کرنا یقیناً تکلیف کو ہوگا اور اگر ان کی بینائی چھن جانے کا خطرہ ہے تو آپ اصرار نہ کیجیے پھر اگر آپ یہاں ہیں تو ان کے ٹھہرنے میں کیا حرج ہے۔

طاہر بیگ نے کہا اچھی بیٹی اگر تمھارا یہی خیال ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن تم جلدی کرو قافلہ تیار کھڑا ہے۔

تنویر نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا آپ خالہ جان کو بھیج دیجیے میں یہیں رہوں گی میں بھائی جان کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی انہیں میری ضرورت ہے

شہباز جو انتہائی سکون کے ساتھ یہ بحث سن رہا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا اور چلایا تنویر محبت تمھاری قطعاً ضرورت نہیں خدا کے لئے تم فوراً خالہ جان کے ساتھ چلی جاؤ

اس کے ساتھ ہی شہباز نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا لیا تنویر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے بستر پر لٹاتے ہوئے کہا بھائی جان خدا کے لئے آپ لیٹے رہیے۔

شہباز نے کان میں کہا تنویر اگر تم پانچ منٹ کے اندر اندر یہاں سے نہ نکل گئیں تو میں پیدل قافلے کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاؤں گا خالہ جان اسے لے جائے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

عطیہ نے کہا بیٹی تنویر اب ضد نہ کرو تمہیں معلوم ہے کہ جب دشمن شہر پر قبضہ

کرے گا تو تمھارا یہاں ٹھہرنا ان تمھارے بھائی کے لئے کتنا تکلیف دہ ہو گا لیکن اگر تم نہیں مانتی تو میں بھی یہیں رہوں گی۔

خاندان کی عمر رسیدہ عورتوں کے سمجھانے اور شہباز سے مزید ڈانٹ ڈپٹ سننے کے بعد تنویر بادل ناخواستہ اپنی خالہ اور باقی عورتوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی لیکن کمرے سے باہر نکلتے وقت اس کی آنکھوں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔

☆

قافلے کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہاشم بیگ اپنے اپنے مورچے سنبھال چکے تھے شہباز نیم خوابی کی حالت میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور ایک نوکر جسے طاہر بیگ اس کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اس کے بستر سے چند قدم دور فرش پر لیٹا خراٹے لے رہا تھا۔ دوپہر کے وقت شہباز کو پیاس محسوس ہوئی اور اس نے نوکر کو آواز دی۔ لیکن جواب میں اسے نوکر کے خراٹے بے حد ناگوار محسوس ہوئے۔ پانی کی صراحی اس کے بستر سے چند قدم دور پڑی ہوئی تھی۔ وہ بستر سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا صراحی کی طرف بڑھا۔ لیکن تین چار قدم اٹھانے کے بعد اس نے سر میں درد کی ٹیسیں محسوس کیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔ تاہم اس نے اس بے بسی کی حالت میں نوکر کو دوبارہ آواز دینا گوارہ نہ کیا۔

قدرے توقف کے بعد وہ سنبھل کر قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور پھر فرش پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے صراحی ٹٹولنے لگا۔ اچانک اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"کون ہے؟" اس نے کرب انگیز لہجے میں سوال کیا۔

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ کوئی دبے پاؤں اس کے قریب آرہا ہے اس کے بعد اسے صراحی سے پانی نکلنے کی آواز سنائی دی اور پھر کسی نے بھرا ہوا پیالہ اس کے منہ کو لگا دیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پیالہ اور دوسرے ہاتھ سے پانی پلانے والے کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''خدا کے لیے بتاؤ، تم کون ہو؟''

جواب میں اسے دبی دبی سسکیاں سنائی دیں اور وہ پانی کا پیالہ فرش پر رکھ کر بلند آواز سے چلایا۔ ''تنویر' تنویر' تم! ______ تم یہاں کیسے آگئیں؟ تمھیں اس وقت یہاں سے کوسوں دور ہونا چاہیے تھا!''۔

تنویر نے دوبارہ پیالہ اس کے منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔'' بھائی جان' آپ پہلے پانی لیں۔''

شہباز پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اُٹھ کھڑا ہو گیا اور تنویر اسے بازو سے پکڑ کر بستر پر لے گئی۔ شہباز بار بار یہ پوچھ رہا تھا۔ ''تنویر خدا کے لیے بتاؤ تم کہاں چھپ گئی تھیں۔ تم گئی کیوں نہیں؟ اگر خدانخواستہ دشمن کے سپاہی یہاں پہنچ گئے ہوتے تو کیا ہوتا؟''

تنویر نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی جان آپ نے مجھے قافلے کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن یہ حکم نہیں دیا تھا کہ مجھے قافلے کو راستے میں چھوڑ کر واپس نہیں آنا چاہیے۔ میں شہر سے نکلتے ہی بہلی سے اُتر کر ایک گھوڑے پر سوار ہو گئی تھی۔ شہر سے چند میل دور جا کر میں نے خالہ جان سے کہہ دیا تھا کہ میں واپس جا رہی ہوں۔ دو نوکروں نے تھوڑی دور میرا پیچھا کیا تھا۔ لیکن میں نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بھیج دیا۔''

شہباز نے کہا۔ ''تنویر مجھے معلوم نہیں تمھاری اس غلطی کا انجام کیا ہو گا لیکن میرا

یہ کہنا غلط تھا کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش تم یہاں ہوتیں۔ میں اپنی جرات اور مردانگی کا ثبوت دینے کے لیے ادھونی کی فوج میں بھرتی ہوا تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ میں بہادر نہیں ہوں۔ ابھی تمہاری آنے سے چند ثانیے قبل میں ایک بچے کی طرح چلا چلا کر رونا چاہتا تھا۔ طبیب نے مجھے بالکل جھوٹی تسلیاں دی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں بہت جلد ہمیشہ کے لیے بینائی سے محروم ہو جاؤں گا۔"

بھائی جان' مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھے دیکھ کر مہت خفا نہیں ہوں لیکن خالو جان اور ہاشم کیا کہیں گے۔" مجھے ان کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ میں انھیں یہ جواب دے سکوں گی کہ میں شہباز کی بہن ہوں۔"

مہابت جنگ کے ادھونی سے نکلنے کے بعد مغل علی خاں اور تہور جنگ نے دریائے تنگبھدرہ کے جنوب میں سلطان ٹیپو کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول لینا غیر ضروری خیال کیا۔ چنانچہ شہزادہ مغل علی خاں واپس حیدرآباد چلا گیا اور تہور جنگ کے تحت مغل اور مرہٹہ افواج نے کنچن گڑھ کا رخ کیا۔ جہاں ہری پنت کا بیشتر لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

سلطان ٹیپو نے کسی تاخیر کے بغیر دوبارہ ادھونی کا رخ کیا۔ ادھونی کی فوج کے افسر اور سپاہی مہابت جنگ کے فرار ہو جانے اور مغل علی خان اور تہور جنگ کے لشکر کی پسپائی کے باعث بد دل ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کسی قابلِ ذکر مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔

اس صورتِ حال کو ادھونی کا حکمران طبقہ اپنی تاریخ کا بدترین سانحہ سمجھتا تھا

لیکن عوام کے جذبات ان سے مختلف تھے۔ وہ اگر کوئی خطرہ محسوس کرتے تھے تو وہ میسور کے لشکر کی طرف سے نہ تھا۔ بلکہ ان مرہٹہ اور حیدر آبادی سپاہیوں کی طرف سے تھا جنہیں ادھونی کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جب شہزادہ مغل علی خاں اور تہور جنگ کی فوج کے ساتھ ہزاروں مرہٹے ادھونی میں داخل ہوں گے تو ادھونی کے حکمران طبقے سے تعلق رکھنے والے چند خاندانوں کے سوا کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں رہے گی۔ سلطان کی فتح ان کے نزدیک انسانیت کی فتح تھی اور جب سلطان کا لشکر شہر میں داخل ہوا تو وہ اپنے گھروں کی کوٹھریوں اور تہ خانوں میں چھپنے کی بجائے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر اس کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ میسور کے کسی سپاہی کی تلوار نیام سے باہر نہ تھی۔ کسی کے چہرے پر فتح کا غرور نہ تھا۔ خوشی کے نعروں اور مسرت کے قہقہوں کی بجائے اُن کی زبانوں پر خاموش دعائیں تھی۔ جو لوگ آئے دن دکن کے اُمراء کی خود پسندی اور رعونت کے مظاہرے دیکھنے کے عادی تھے۔ ان کے لیے میسور کے حکمران کی سادگی اور انکساری ایک نئی بات تھی۔ رعب و جلال کا پیکر مجسم ایک خوب صورت گھوڑے پر سوار تھا۔ لیکن اس کی نگاہیں تماشائیوں کی طرف ایک فاتحانہ غرور سے دیکھنے کی بجائے زمین میں گڑھی جا رہی تھیں۔ مسلمان اسے ایک درویش، ایک ولی اور ایک بزرگ سمجھتے تھے۔ ہندوؤں کی نگاہ میں وہ ایک دیوتا تھا اور ادھونی کی تمام بیٹیاں اسے اپنی عزت کا محافظ سمجھتی تھیں۔



شہباز گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اپنے بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ تنویر ایک دریچے کے سامنے کھڑی قلعے کے کشادہ صحن کی طرف جھانک رہی تھی جہاں میسور کے سپاہی جمع

ہو رہے تھے۔

شہباز نے کہا۔" تنویر آؤ بیٹھو جاؤ۔ پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں جو ہونا ہے ہو رہے گا۔"

تنویر آگے بڑھ کر اس کے قریب ایک مونڈھے پر بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی۔" بھائی جان وہ ابھی تک نہیں آئے بہت دیر ہو گئی۔ خالو جان کہتے تھے کہ اگر ہمیں قیدی بنالیا گیا تو بھی میں کوشش کروں گا کہ ہمیں اسی مکان میں رہنے دیا جائے۔"

شہباز نے جواب دیا۔" فاتح لشکر اپنے قیدیوں سے مشورہ نہیں لیتا کہ تم کہاں رہنا چاہتے ہو اور ابھی تو انھیں قیدیوں کی چھان بین کرنے میں بھی کافی وقت لگے گا۔ تنویر میں بہت شرمسار ہوں، تم پر مصیبت میری وجہ سے آئی ہے اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب تک تمھارے لیے یہاں سے بھاگ نکلنے کا موقع تھا، میرے لیے بستر سے سر اٹھانا محال تھا اور آج میں دو گھنٹو سے اِسی طرح بیٹھا ہوا ہوں اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آج مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری بینائی کبھی خراب نہیں تھی۔ اگر تم اجازت دو تو میں باہر جا کر ان کا پتا کروں؟"

تنویر نے کہا۔" نہیں نہیں بھائی جان میں آپ کو بستر سے اُٹھنے کی اجازت نہیں دوں گی۔

طبیب بار بار یہ تاکید کر چکا ہے کہ آپ کو صرف مکمل آرام خطرے سے بچا سکتا ہے۔"

باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ تنویر کا دل دھڑکنے لگا اور وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ہاشم بیگ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ ''دشمن نے عام سپاہیوں کو آزاد کر دیا ہے۔ لیکن افسروں کے متعلق یہ فیصلہ ہُوا ہے کہ انھیں جنگ کے زمانہ میں قید رکھا جائے گا۔ ہمیں اس وقت قلعے سے باہر کسی کیمپ میں منتقل کیا جا رہا ہے مجھے صرف دو منٹ کے لیے آپ کے پاس آنے کی اجازت ملی ہے۔ میرے ساتھ دو سپاہی آئے ہیں اور وہ دروازے پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپ کے ساتھ وہ کیا سلوک کریں گے۔ صرف یہ پتا چلا ہے کہ وہ عورتیں اور بچے اس قلعے میں ہیں انھیں سرِ دست شہر کے مکانات میں منتقل کر دیا جائے گا مجھے قلعہ خالی کر وانے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ بظاہر اس بات کے کوئی آثار نظر نہیں آتے کہ دشمن اسے اپنی فوج کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے سلطان ٹیپو قلعے کا معائنہ کرنے کے بعد فوراً اپنے پڑاؤ میں چلے گئے ہیں۔ وہ یہاں سے فوج کے صرف چند دستے لے گئے۔ دشمن قلعے کی بھاری توپیں بھی یہاں سے اُٹھوا کر باہر لے جا رہا ہے۔ ابا جان کو یقین ہے کہ سلطان کی فوج آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گی اور اگر انھیں سلطان یا ان کی فوج کے کسی بڑے افسر کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مِلا تو وہ ان سے یہ درخواست کریں گے کہ جب تک آپ تندرست نہیں ہوتے آپ کو یہیں رہنے دیا جائے۔ میں آپ کو ایک اور خبر سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے ابھی مُراد علی کو دیکھا ہے۔

شہباز نے چونک کر کہا۔ مُراد علی ـــــــ سرنگاپٹم والا مُراد علی; آپ نے اس کے ساتھ کوئی بات کی ہے؟ نہیں اس کا دھیان دوسری طرف تھا اور مجھے اس حالت میں اس سے ملاقات کرنا گوارا بھی نہ تھا۔

تنویر نے پُوچھا۔ آپ کو یقین ہے کہ وہ کوئی اور نہیں تھا؟

ہاں میں نے اسے پانچ چھ قدم کے فاصلے سے دیکھا تھا اور میری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔

باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی اور ہاشم بیگ نے کہا۔ سپاہی مجھے بلا رہے ہیں۔تنویر کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ ہاشم بیگ ایک ثانیہ توقف کے بعد دروازے کی طرف بڑھا اور تیزی سے قدم اُٹھاتا ہُوا باہر نکل گیا شہباز اور تنویر دیر تک پریشانی اور اضطراب کی حالت میں بیٹھے رہے۔



کوئی ایک گھنٹہ بعد نوکر پریشان صُورت کمرے میں داخل ہُوا اور اُس نے شہباز سے کہا۔حُضور میسُور کی فوج کا ایک افسر اور تین سپاہی دروازے پر کھڑے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دس منٹ کے اندر اندر یہ مکان خالی کر دینا چاہیے۔ قلعے کے تمام مکان خالی ہو رہے ہیں۔میں نے انھیں بہت سمجھایا کہ اس مکان میں ایک پردہ نشین بی بی اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔جن کے لیے دو قدم چلنا بھی وہ افسر کہتا ہے کہ یہ مکان ہر حالت میں خالی کرنا پڑیگ گا۔ اگر اس میں کوئی ایسا آدمی ہے جو چل نہیں سکتا تو میرے سپاہی اُسے اٹھا کر لے جائیں گے۔ میں خود ان سے بات کرتی ہوں۔''تنویر یہ کہہ کر اپنا دوپٹہ درست کرتی ہوں باہر نکل گئی۔

تنویر! تنویر!! ٹھہرو تم باہر مت جاو!''شمباز یہ کہہ کر بستر سے اُٹھا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر وہ اچانک مُڑا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبا کر فرش پر بیٹھ گیا۔

نوکر جو تزبزب کی حالت میں دروازے کے سامنے کھڑا تھا، آگے بڑھا اس نے شہباز کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک مونڈھے پر بٹھا دیا۔

مکان سے باہر میسُور کی جوج کا افسر تنویر سے کہ رہا تھا۔ محترمہ میَں آپ کو یہ نہیں بتا سکتا کہ اس قلعے کو خالی کرنا کیوں ضروری ہے میں صرف اپنے سپہ سالار کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کا بھائی اگر چلنے پھرنے کے قابل نہیں تو اسے اٹھا کر اسے لے جانے لا جانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے لیکن ہمارے پاس اب گفتگو کے لیے زیادہ وقت نہیں۔

تنویر نے کہا۔ آپ مُراد علی کو جانتے ہیں وہ آپ کی فوج میں ہے؟

ہماری جوج میں اس نام کے کئی آدمی ہو سکتے ہیں۔ آپ کس مُراد علی کے متعلق پُوچھ رہی ہیں؟

وہ سرنگاپٹم کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی کا نام انور علی ہے۔ ان کے والد کا نام معظم علی تھا جو میسُور کی جوج کے بہت بڑے افسر تھے ان کے دو بھائی صدیق علی اور مسعُور علی چند سال قبل انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہُوئے شہید ہو گئے تھے۔

وہ مُراد علی اس وقت یہیں ہیں اور ان کے بھائی انور ہمارے افسر ہیں۔ لیکن آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق؟

وہ میرے بھائی ہیں۔

افسر نے پریشان ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر آپ مُراد علی اور انور علی کی بہن ہیں تو مجھے بھی اپنا بھائی سمجھیے۔

آپ مراد علی کو میرا پیغام لے جاتا ہُوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ کو ہر صُورت میں یہ مکان خالی کرنا پڑے گا۔

نوجوان افسر اور سپاہی چلے گئے اور تنویر واپس آ کر اپنے بھائی کے کمرے میں

داخل ہوئی۔

شہباز اپنا سر ہاتھوں میں دبائے مُونڈھے پر بیٹھا تھا۔ تنویر نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔ بھائی جان آپ بستر پر لیٹ جائیں، ابھی آپ کو بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

شہباز اس کا سہارا لے کر آگے بڑھا اور بستر پر لیٹ گیا۔

تنویر نے اس کے چہرے سے اس کی تکلیف کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔'' کیا بات ہے بھائی جان آپ پھر درد محسوس کر رہے ہیں؟''

میں ٹھیک ہوں۔'' شہباز نے شکایت کے لہجے میں کہا،'' تنویر تمھیں باہر نہیں جانا چاہیے تھا__ وہ کیا کہتے تھے؟''

وہ کہتے تھے کہ ہم یہاں رہ سکتے۔''

اور تم نے مُراد علی سے رحم کی درخواست کی ہوگی؟''

بھائی جان آپ کو اس بات پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔مُراد اور انور میسور کی فوج کے سپاہی ہونے کے باوجُود میرے بھائی ہیں اور مَیں اُن سے ایک بہن کا حق مانگ سکتی ہُوں۔''

شہباز نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ تنویر اب ان کے ساتھ ہمارے تمام رشتے

ٹوٹ چکے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں نے زخمی ہونے سے پہلے میسور کے چار سپاہیوں کو گولی کا نشان بنایا تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی مُراد یا انور نہ تھا۔ ورنہ میں بندوق چلاتے وقت یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا کہ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اب اگر تم انھیں کوئی پیغام بھیجا ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ فو

رائیہاں آئیں گے ممکن ہے کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ بھول جائیں کہ میں ان کے خلاف لڑ چکا ہُوں لیکن مَیں کس مُنہ سے یہ کہ سکوں گا کہ میں ان کی طرف سے کسی انسانی سلوک کا حقدار ہوں تنویر میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ تم ان سے میرے لیے رحم کی درخواست کرو، اگر تم ان حالات میں بھی انھیں اپنا بھائی سمجھتی ہو تو ان سے یہ کہو کہ وہ تمھیں ابا جان کے پاس پہنچا دیں لیکن میرے لیے رحم کی بھیگ مانگ کر مجھے ان کے سامنے شرمسار نہ کرنا۔ کاش تم واپس نہ آتیں!__ کاش وہ مجھے ملبے کے ڈھیر سے نا نکالتے اور آج میں اپنی بہن کی بے بستی دیکھنے کے لیے زندہ نہ ہوتا____ مجھ پر قدرت کا شاید آخری احسان یہ ہے کہ اب مجھے اب مُرادعلی کے سامنے شرم وندامت سے آنکھیں جھکانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اب اگر وہ آئے بھی تو مَیں تاریکی میں صرف ان کی باتیں سُن سکوں گا۔ میں آج صبح سے اس بات پر خوش ہورہا تھا کہ میری آنکھیں ٹھیک ہورہی ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے پاوں سے چل کر قلعے کے باہر جاسکون گا لیکن میرے سر کے درد کا یہ دورہ معمول سے زیادہ طویل ہوگیا ہے اور اب مجھے وہ دُھندلی سی روشنی دکھائی نہیں دیتی۔،،

تنور نے کہا۔ بھائی جان آپ تھوڑی دیر لیٹے رہیں مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آپ ٹھیک ہوجائیں گے۔

شہباز چند منٹ آنکھیں بند کیے خاموش پڑا رہا۔ بالآخر اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا تنور اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے سے تاریکی کے بادل آہستہ آہستہ چھٹ رہے ہیں۔ مجھے دریچے سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آرہی ہے۔ میں تمھارا دھندلا سا عکس دیکھ سکتا ہوں لیکن مرادعلی یہاں آجائے تو خدا کے لیے اسے میری آنکھوں کے متعلق کچھ نہ بتانا۔

تنویر نے اندیدہ ہو کر کہا بھائی جان اگر آپ کو طبی انداد کی ضرورت نہ ہوتی تو میں ابا جان کیے دوست کے بیٹوں کو اپنی بے بسی کا تماشا دیکھنے کی دعوت می دیتی میں بے غیرت نہیں ہوں ہماری آپ مجھے ایک بہن کا غرض ادا کرنے سے منع کریں اور میں آپ کے متعلق ہی نہیں بلکہ امی جان ابا جان اور ثمینہ کے متعلق بھی سوچتی ہوں"۔ث

ثمینہ ___ میری ننھی ثمینہ!" شہباز نے کرب انگیز لہجے میں کہا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں وہ تصور سے دور کوسوں دور اپنی بستی کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں ثمینہ کے قہقہے سُن رہا تھا::



نوکر نے دروازے جھانکتے ہوے کہا۔" حضور! میسور کی فوج کے دو افسر اندر آنا چاہتے ہیں۔ایک نے اپنا نام مراد علی بتایا ہے"۔

تنور نے کہا" ۔انھیں بلا ولاو"۔نوکر باہر نکل گیا

تنور نے کرسی سے اٹھ کر کہا" ۔ بھائی جان میں دوسرے کمرے میں جاتی ہوں لیکن آپ ان کے آنے پر اٹھنے کی کوشش نہ کریں!"

شمباز نے کوئی جواب نہ دیا۔تنویر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہُوئی برابر کے کمرے میں چلی گئی اور نُم وا دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔

مُراد اور انور کمرے میں داخل ہُوئے۔وہ "السلام علیکم کہہ کر آگے بڑھے۔

شہباز صرف ان کے دُھندے لے سے نقوش دیکھ سکتا تھا۔اس نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا دایاں ہاتھ بڑھاتے ہُوئے کہا۔" وعلیکم السلام ___ معاف کیجیے

میں سر میں تکلیف کے باعث اُٹھ نہیں سکتا۔"

مُراد علی سے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہُوئے کہا۔" یہ بھائی جان انور علی ہیں"۔

انور علی نے شہباز کا ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا"۔آپ کو دیکھنا میری زندگی کی ایک بہت بڑی خواہش تھی کہ ہماری ملاقات ان حالات میں ہوگی"۔

"آپ تشریف رکھیے"۔شہباز نے کہا،

وہ بستر کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے،

مراد علی نے کہا، مجھے بہن تنویر کا پیغام سُن کر بہت پریشانی ہوئی تھی، آپ کی حالت کیسی ہے؟ آپ یہاں کب آئے تھے؟ اور آپ نے سر پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟

ہاشم اور اُس کے والد آپ کی قید میں ہیں میرے سر پر ایک معمولی سا زخم آ گیا تھا، زخم قریباً مندمل ہو چکا ہے۔لیکن مجھے سر میں اکثر تکلیف رہتی ہے۔طبیت کا حکم ہے کہ میں تکیے سے سر اٹھانے کی کوشش نہ کروں۔"

انور علی نے کہا۔"سرکار زخم مندمل ہو جانے کے باوجود اگر آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں تو آپ کو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔آپ کے علاج کے لیے ہم اپنی فوج کے بہترین طبیبوں اور جراحوں کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔"

شہباز نے کہا۔"لیکن قبل اس کے کہ آپ میرے لیے کوئی تکلیف اُٹھائیں میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اُدھونی کی فوج کا سپاہی ہوں اور آپ کی فوج کے ساتھ لڑائی میں زخمی ہُوا تھا۔"

انور علی نے جواب دیا۔مسیُور کے طبیت علاج کرتے وقت دوست اور

دشمن کے درمیان امتیاز نہیں کرتے۔ ادھونی کی فتح کے بعد آپ کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ہمارے سامنے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو کسی محفوظ جگہ منتقل کر دیا جائے ہاشم اور اس کے والد اگر گرفتار ہو چکے ہیں تو وہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ شہر سے باہر ایک کیمپ میں بھیجے جا چکے ہیں، وہاں آپ کے لیے ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا جاسکتا ہے اور علاج کے لیے بھی آپ کو تمام سہولتیں مہیا ہوں گی۔"

شہباز نے پُوچھا" قیدیوں کا کیمپ یہاں سے کتنی دُور ہے؟"

"کیمپ یہاں سے صرف پانچ میل دُور ہے۔ لیکن آپ کے لیے بیل گاڑی کا انتظام ہوسکتا ہے اور اگر آپ بیل گاڑی پر سفر کرنا پسند نہ کریں تو ہمارے آدمی آپ کو کھاٹ پر اٹھا کر وہاں لے جائیں گے۔"

شہباز نے پُوچھا۔" آپ ہمیں یہ مکان خالی کرنے کے لیے کتنا وقت دیں گے؟"

انور علی نے جواب دیا۔" مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کو پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں دے سکتے۔"

برابر کے کمرے کا دروازہ کُھلا اور تنویر اپنے سر پر ایک سفید چادر لیے نمودار ہوئی۔ آنکھوں کے سِوا اُس کا تمام چہرہ چادر میں چُھپا ہُوا تھا۔ انوار اور مُراد احتراماً کھڑے ہوگئے۔

تنویر نے کہا۔" بھائی جان نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اُن کے لیے سفر کرنا بہت خطرناک ہے

شہباز نے مضطرب ہو کر کہا تنویر خدا کے لئے تم خاموش رہو

لیکن تنویر پر اس کی خفگی کا کوئی اثر نہ ہوا اس نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ قلعہ

خالی کروانے میں آپ کی کیا مصلحت ہے لیکن اگر یہ سلطان کا حکم تو آپ ان سے کہیں کہ یہاں ایک بے بس زخمی آپ کی فوج کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتا۔انور علی نے پریشان سا ہو کر کہا میری جانب سے آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے کہ ہم انہیں کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔

اگر کسی معمولی تکلیف سے بچنے کا وسال ہوتا ہ میں آپ سے کوئی التجا نہ کرتی لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ کہیں ہمشہ کے لئے بینائی سے محروم نہ ہو جائیں بھائی جان اس وقت بھی آپ کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے۔

انور اور مراد چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑے رہے بالاخر انور علی نے کہا شہباز یہ قلعہ بارود سے اڑا دیا جائے گا۔ہم اس معاملے میں بے بس ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو یہاں لے جانے میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جائے گا۔تنویر نے کہا اگر یہ ضروری ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ہیں قیدیوں کے کیمپ میں بھجنے کی بجائے شہر میں اپنے مجکان کے اندر ٹھہرنے کی اجازت دے دیں

انور علی نے جواب دیا اگر شہر میں آپ کا مکان تھا تو اس قدر پرشان ہونے کی کیا ضرورت تھی آپ فوراً تیار ہو جائیں میں ابھی چند آدمی بلوالیتا ہوں

شہباز نے کہا میں آپ کو ایک بات بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں اگر اکبر خان کے بیٹے کی حیثیت میں میرا آپ پر کوئی حق تھا تو وہ اس دن ختم ہو گیا تھا جس دن میں ادھونی کی فوج میں بھرتے ہوا تھا میں کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کروں گا کہ آپ میری خاطر اپنی ذات کے لئے کوئی خطرہ مول لیں میں عام جنگی قیدیاں سے بہتر سلک کا مستحق نہیں ہوں۔اس لئے اگر یہ قلعہ خالی کرنا ضروعی ہے تو میری پروانہ کیجئے میں قیدیوں تے کیمپ میں جانے کے لئے تیا ہوں

انور علی نے جواب دیا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو صرف اتنی ہر

رعایت دی جا

رہی ہے جو ہر زخمی کے ساتھ برتی جاتی ہے اگر آپ شہر میں رہ سکتے ہیں تہ آپ کو قیکیاں کے کیمپ میں بیجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ممکن ہے کہ سلطان معظم آپ کی خاطر ہاشم اوران دے والد کو بھی شہر میں رہنے کی اجازت دے دیں انہیں صرف اس بات کی ضمانے دینی ہوگی کہ وہ جنگ کے دوران میں فرار ہو کر دوبارہ دکن کی فوج میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کرینگے اور یہ بھی ممکن ہے کی میسور اور دکن کی حکومتیں کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور سلطان معظم تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر فرما دیں لیکن اب باتوں کا وقت نہیں مرادتم چند آدمی بلاؤ اور انہیں انگے گھر پہنچانے کا انتظام کروائیں میں ان کے علاج کے لئے کسی قابل طبیب کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تنویر نے کہا بھائی جان میں نے ان کے چہروں پر جنج اور کامرانی کی مسکراہٹیں نہیں دیکھیں بلکہ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب سلطان ٹیپو نے شہر میں داخل ہوتے وقت اپنے راستے میں ادھونی کے سپاہیوں کی لاشیں دیکھی ہوں گی تو ان کی بھی حالت ہوئی ہوگی ہماری بدقسمتی ہے کہ نظام نے ایک ایسے آدمی کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے جو صرف میسوء ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے مسلماتوں کے مستقبل کی امیدوں کا آخری سہارا ہے کوجودہ حالات میں ہم صرف یہی دعا کر سکتے ہیں کہ خدا نظام الملک کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق دے یا ہیں اتنی جرات اور ہمت دے کہ ہم ایک غلط راستے پر اس کا ساتھ دینے سے انکار کر سکیں

شہباز نے کہا تنویر میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں نے زخمی ہونے سے پہلے

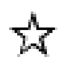
میسور کے چار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ یقیناً مجھ سے بہتر مسلمان تھے اور اب اگر میں میسور کی فوج کے کسی آدمی کا احسان مند ہوتے وقت ندامت محسوس نہ کروں تو تم مجھے قابل نفرت نہیں سمجھو گی؟

تنویر نے آبدیدہ ہو کر کہا میں صرف جانتی ہوں کہ آپ میرے بھائی ہیں،

میں تمھارا بھائی ہوں اور تم میری خاطر یہاں ٹھہرنے پر مجبور ہو گئی تھیں میری بہن ہونے کے باعث تم میری کسی غلطی یا کوتاہی کو قابل سزا نہیں سمجھو گی میرے متعلق تمہیں اب یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ ایک سپاہی کی حیثیت میں میری زندگی ختم ہو چکی ہے قرت اب مجھے سلطان ٹیپو کے خلاف تلوار اٹھانے کا موقع نہیں کے گی لیکن ہاشم تمھارا شوہر ہے اور تمہیں اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے اس کا خاندان ادھونی کی شکست کا انتقام لینے کا کوئی موقع جائع نہیں بکل سکے گا تمہارا ضمیر بار بار یہ احتجاج کرے گا کہ وہ ایک غلط محاذ پر لڑ رہا ہے لیکن ایک بیوی کی حیثیت میں ادکی کوتاہیاں اور غلطیاں تمہیں برداشت کرنی پڑیں گی تمہیں اپنی سسرال کے خاندان کی عزت او روقار کا خیال آئے گا تہ تم نظام اور اس کے اتحادیوں کی فتح کے لئے دعائیں مانگو گی لیکن جب تمہیں یہ خیال آئے گا کہ سلطان ٹیپو اسلام اور انسانیت کا بول بالا چاہتا ہے اور اس کے دائیں بائیں انور اور مراد جیسے لوگ کھڑے ہیں تو تمھارے لئے اس قسم کی دعائیں کتنی تکلیف دہ ہوں گی؟

تنویر نے کہا بھائی جان میں نے شادی سے پہلے کبھی اپنے مستقبل کے متعلق نہیں سوچا میں سرف یہ جانتی تھی کہ اپنی خالہ کے گھر جا رہی ہوں جب آپ ابا

جان کی مرضی کے خلاف ادھونی کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے تو میں یہی سمجھی تھی کہ آپ کو خالو خان کے خاندان کے لوگوں کے طعنوں نے متاثر کیا ہے اور میں یہ دعا کیا کرتی تھی کہ آپ ایک سپاہی کی حیثیت میں اتنا نام پیدا کریں کہ ادھونی کا بڑے سے بڑا آدمی آپ پر رشک کرے لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں نہ تھی کہ جب سپاہیانہ جوہر دکھانے کا وقت آئے گا تو میرے بھائی اور میرے خاوند کو ایک غلط محاذ پر لڑنا پڑے گا اب میرے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں اور میری دعائیں صرف یہی ہوں گی کہ خدا میرے شوہر کو باطل کی بجائے حق کا ساتھ دینے کی جرات دے۔



مراد اور انور بلا ناغہ شہباز کی تیمارداری کے لئے آتے تھے شہباز ان کی محبت اور خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا بے چارگی اور ندامت کے احساس کی تلخی کی جگہ اور تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا میسور کی فوج کے قابل ترین طبیبوں کے علاج سے اس کے سر کے درد کی شدت میں کچھ کمی آ چکی تھی لیکن اپنی بینائی میں وہ صرف یہ فرق محسوس کرتا تھا کہ تاریکی اور روشنی کی وہ آنکھ مچولی جو اسے کبھی انتہائی پر امید اور کبھی انتہائی مایوس بنا دیا کرتی تھی ختم ہو چکی تھی اور اب اس کی نگاہوں کے سامنے قریباً مستقل طور پر ایک دھند لکا چھایا رہتا تھا اور اس دھندلکے میں وہ صرف چند قدم تک اپنے گردو پیش کا ایک مبہم سا منظر دیکھ سکتا تھا۔

انور اور مراد کبھی چند منٹ کے لئے آتے تھے اور کبھی دو دو گھنٹے اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے تنویر جو پہلی ملاقات کے وقت اضطراری حالت میں سامنے آ گئی تھی اب ساتھ والے کمرے کے دروازے کی آڑ میں بیٹھ کر ان کی باتیں سنا کرتی تھی

جب مراد علی تنہا آتا تھا تو وہ کافی آزادی سے اس کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھیں لیکن انور علی کی موجودگی میں اسے ایک آدھ فقرے سے زیدہ بولنے کی جرات نہ ہوئی ان کی باتیں عام طور پر جنگی یا سیاسی حالات کی بجائے اپنے گھریلو معاملات کے متعلق ہوتیں شہباز انہیں کبھی اپنے سیر و شکار کے واقعات سناتا اور کبھی ثمینہ کی معصوم شرارتوں کا ذکر چھیڑ دیتا۔ انور اور مراد اسے اپنے بچپن کے واقعات سناتے ایک دن جیمن کا ذکر آ گیا اور انور علی نے شہباز کے استفسار پر اس کی سرگزشت بیان کر دی ہر ملاقات کے اختتام پر انور اور مراد شہباز اور اس کی بہن پر یہ تاثر چھوڑ جاتے کہ معظم علی اور اکبر خان کی اولاد کے تعلقات پر زمانے انقلابات اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

ایک دن انور اور مراد خلاف معمول شہباز کی عیادت کو نہ آئے لیکن عشاء کی نماز کے بعد نوکر نے اطلاع دی کہ انور علی چند منٹ کے لئے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے تنویر اپنے بستر سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور شہباز نے انور علی کو اندر بلا لیا۔

انور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کسی تمہید کے بغیر کہا بھائی میں آج بہت مصروف تھا اس لئے آپ کی عیادت کو نہ آسکا مراد علی، علی الصباح ایک مہم پر روانہ ہو گیا ہے اور میں بھی رات کے پچھلے پہر یہاں سے جا رہا ہوں ہمارے سپہ سالار نے ادھونی کے قلعہ دار کو بڑی سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے کہ ہر طرح آپ کا خیال رکھے آج آپ کے خالو اور ہاشم بیگ کو قیدیاں کے کیمپ سے یہاں سے منتقل کرنے کے احکامات بھیج دیے گئے ہیں اس سلسلے میں آپ کے ساتھ کوئی خاص رعائت نہیں کی گئی ہے قلعہ دار نے ان تمام قیدیوں کو جن کے بال بچے یہاں ہیں شہر میں منتقل کرنے کا حکم دے دیا ہے باقی قیدیوں کو کسی اور قلعے میں بھیج دیا جائے گا۔ اگر آپ

چاہیں تو اپنی خالہ جان اور دوسرے رشتہ داروں کو یہاں بلا سکتے ہیں میں آپ سے مشورہ کیئے بغیر آپ کے ابا جان کو خط لکھ دیا ہے اگر آپ کو اجازت مل جائیگی شہباز نے کہا لیکن میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ آپ ابھی ابا جان کو میرے متعلق کوئی خبر نہ کیں؟

انور علی نے جواب دیا آپ کے ابا جان کے ساتھ میرا ابھی کوئی تعلق ہے میں نے بہت سوچ بچار کے بعد انہیں خط لکھنے کا فیصلہ کیا تھا

تنویر نے دروازے کع آڑس ے کہا بھائی جان آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جنگ ختم ہو چکی ہے۔

جنگ ختم نہیں ہوئی لیکن نظام مے متعلق ہیں یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ اب ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوگا اب صرف پرہٹوں کو ایک عبرتناک شکست دینے کی ضرورت اور ہےس کے بعد نظام علی خان کو ہمای مصالحان بائیں اس قدر ناگوار محسوس نہیں ہوں گی۔

شہباز بستو سے اتھ کر بیٹھ گیا اور انور علی کی طرف ہاتھ برھات ہوئے بولا خدا حافظ کاش میں آپ کو اچھی طرح دیکھ سکتا خدا حافظ انور نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

دروازے کی طرف دو تین قدم اٹھانے کے بعد وہ کچھ سوچ کر رکا اور بولا تنویر بہین خدا حافظ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ان حالات میں چھور کر جا رہا ہوں

خدا حافظ بھائی جان: ________ خدا آپ کو ____________ --

تنویر اپنا فقرہ پورا نہ درسکی ورا انور علی کمرے سے باہر نکل گیا۔

شہباز نے کہا تنویر تم رک کیوں گئی تمہیں بلند آواز سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ خدا

آپ کو فتح دے۔



ساتواں باب

ادھونی کی حفاظت اپنے ایک تجربہ کار سالار قطب الدین کو سونپ کر سلطان نے پڑوس کے ان پالیگاروں کی طرف توجہ کی جو جنگ میں نظام اور مرہٹوں کی فوج کی کامیابی یقینی سمجھ کر غداری کر چکے تھے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد چند دنوں میں سُلطان کی افواج دریائے تنگبھدرہ قریب پہنچ گیئں۔ یہ اگست کا مہینہ تھا اور دریا کی طغیانی اپنے پُورے شباب پر تھی۔ اتحادی افواج برسات کے موسم میں جنوب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ترک کر کے تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان جمع ہو رہی تھیں۔ ہری پنت کو یقین تھا کہ سُلطان برسات میں تنگبھدرہ عبُور کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا اور اس کی ساری توجہ دھاوڑواڑ کے تمام علاقوں کو مُسخر کرنے پر مبذول تھی لیکن جب وہ بہادر بندہ کے قلعے کا محاصرہ کیے ہُوئے تھا اُسے یہ ناقابل یقین اطلاع موصول ہُوئی کہ سُلطان کے ہراول دستے دریا عُبور کر چکے ہیں اس خبر سے اتحادیوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور ہری پنت نے سُلطان کا راستہ روکنے کے لیے باجی پنت کی قیادت میں تیس ہزار تیز رفتار سواروں کی فوج روانہ کر دی لیکن اس لشکر کے پہنچنے سے پہلے سُلطان کی پوری فوج دریا کے پار اُتر چکی تھی۔

ہری پنت نے سُلطان ٹیپو کے کیمپ سے آٹھ میل دُور پُراؤ ڈال دیا چند دن فریقین کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں اس عرصہ میں ٹکوجی مُلکر اور گھوناتھ راؤ پٹوردھن کی افواج ہری پنت سے آملیں اور اس کے جھنڈے تلے ایک لاکھ مرہٹہ فوج جمع ہوگئی برسات کے موسم میں اتنی بڑی فوج کے لیے رسد کا سامان مہیا کرنا ایک پریشان کُن مسئلہ تھا، دریائے تنگبھدرہ اور ایک ناقابل عبور برساتی نالے کے درمیان سُلطان ٹیپو کا کیمپ دشمن کے پڑاؤ کی نسبت کہیں زیادہ محفوظ تھا

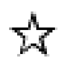
جنوب میں اس کی رسد اور کمک کے راستے کھلے تھے اور اس کی پنڈارا فوج کے سوار مرہٹوں سے باقاعدہ جنگ لڑنے کی بجائے اُن کے رسد و کمک کا نظام درہم برہم کرنے میں مصرُوف تھے مرہٹے سُلطان کے پڑاؤ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرکے یہ صورتِ حال بدل سکتے تھے لیکن برساتی نالہ عُبور کرتے وقت انھیں میسور کے توپ خانے کی گولہ باری اکا سامنا کرنا پڑتا۔

ہرپنت نے اپنے کیمپ میں قحط اور بیماری کے آثار دیکھ کر شاہنور کا رُخ کیا سُلطان نے اُس کا پیچھا کیا اور شاہنور سے پانچ میل دُور پڑاؤ ڈال دیے یہاں پر سلطان کے ساتھ برہان اور بدرالزماں کی افواج شامل ہوگئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی بڈنور سے سلطان کے لشکر کے لیے سامانِ رسد کے لیے سینکڑوں بیل گاڑیاں پہنچ گئیں۔ مرہٹے شاہنور کے پاس پڑاؤ ڈالے میسور کی افواج کی پیش قدمی کا انتظار کر رہے تھے۔ تہور جنگ اور نواب شاہنور کی افواج ان کے ساتھ شامل ہو چکی تھیں۔ اور ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ وہ میسور کے ہر سپاہی کے بدلے پانچ آدمی میدان میں لا سکتے تھے۔ لیکن اپنی عددی برتری کے باوجود یہ عظیم لشکر میسور کی منظم، متحد اور تربیت یافتہ فوج کے سامنے ایک میلے کی بھیڑ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان میں فکر وعمل کی وحدت مفقود تھی۔ مرہٹے نظام کی افواج کو جنگ کے میدان میں آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ اور نظام کا لشکر ہر آزمائش میں مرہٹوں سے چند قدم پیچھے رہنا پسند کرتا تھا، پھر مرہٹہ فوج کی اپنی حالت یہ تھی کہ ان کا کوئی راجہ یا سردار اپنے باقی ساتھیوں کی نسبت زیادہ نقصان اٹھانے کیلئے تیار نہ تھا۔

اس کے علاوہ اپنی سرحد کے قریب ہونے کے باعث رسد اور کمک حاصل کرنے میں میسور کی افواج کو جو سہولتیں حاصل تھیں۔ وہ نظام اور مرہٹوں کی افواج

کو حاصل نہ تھیں۔ سلطان ٹیپو اپنے توپ خانے اور اپنی پیادہ فوج کو جنگ کے لیے ایک فیصلہ کن عنصر سمجھتا تھا اور وہ اپنے سواروں کو میدان میں لانے کی بجائے ان سے دشمن کی ناکہ بندی کا کام لینا زیادہ فائدہ مند سمجھتا تھا۔ اس کے برعکس نظام اور مرہٹوں کی بیشتر فوج سواروں پر مشتمل تھی اور انہیں اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ دور دراز کے علاقوں سے غلہ اور چارہ مہیا کرنے میں مصروف رکھنا پڑتا تھا۔ پھر توپوں اور بندوقوں کی جنگ میں ایسے سواروں کے مقابلے میں جو صرف بھاگتے ہوئے دشمن پر یلغار کرنے کے عادی تھے۔ ڈٹ کر لڑنے والے پیادہ سپاہیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔

پونا اور حیدر آباد کی افواج حسب معمول خدمت گاروں، خیمہ برداروں، سازندوں، رقاصاؤں اور گویوں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ لائی تھی۔ بڑے بڑے راجاؤں اور سرداروں کی بیویاں ان کے ساتھ تھیں۔ شاہ نور میں غلے اور چارے کے گودام خالی ہو چکے تھے۔ آس پاس کسانوں کی کھیتیاں تباہ ہو چکی تھیں۔ یہ تمام حالات سلطان ٹیپو کے حق میں انتہائی سازگار تھے۔



ایک رات شدید بارش ہو رہی تھی۔ دکن اور مہاراشٹر کے رؤسا کے خیموں میں رقص و سرور کی محفلیں گرم تھیں۔ سلطان ٹیپو نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد دشمن کے

پڑاؤ کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن رات کی تاریکی اور بارش کی شدت کے باعث برہان الدین، مہا مرزا خاں اور میر معین الدین کی قیادت میں اس کی فوج کے تین قشون راستہ بھول کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ سلطان نے انہیں سگنل دینے کے لیے ایک فائر کیا۔ لیکن

اسے معلوم ہُوا کہ اس کی اپنی کمان کے دستوں کے سوا باقی تمام فوج پیچھے رہ گئی ہے۔ سلطان نے کچھ دیر انتظام کیا۔ اور پھر طلوعِ سحر کے ساتھ دشمن کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس عرصہ میں مرہٹے فرار ہو کر آس پاس کے ٹیلوں اور پہاڑ پر پناہ لے چکے تھے۔

صبح کی روشنی میں جب مرہٹوں نے سلطان کے ساتھ مُٹھی بھر آدمی دیکھے تو انہوں نے پلٹ کر پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد سلطان کا باقی لشکر بھی پہنچ گیا اور انہوں نے چند گھنٹوں کی شدید لڑائی کے بعد دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ چار دن بعد سلطان نے ایک اور حملہ کیا اور دشمن کے سینکڑوں سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ ہری پنت نے ایک طرف میسور کی فوج کے پے در پے حملوں سے شدید نقصان اٹھانے اور دوسری طرف رسد اور چارے کی مشکلات کے باعث شاہنوز کو خیر باد کہہ کر مشرق کا رخ کیا۔ اس کے میدان سے بھاگتے ہی نواب عبدالحکیم خاں، شاہنوز کو اپنے بیٹے کے حوالے کر کے فرار ہو گیا۔ اور اپنے لشکر سمیت اتحادیوں سے جا ملا۔

جب سلطان کی فوجیں شہر میں داخل ہوئی تو عوام جو مرہٹوں کی لوٹ مار سے تنگ آ چکے تھے مسرت کے نعروں سے اُن کا استقبال کر رہے تھے۔

شاہنور کی فتح کے بعد جنگ کا پانسا پلٹ چکا تھا اور سلطان کی افواج مرہٹوں کے لیے نئے نئے محاذ کھول رہی تھیں۔ ایک قشون میر معین الدین کی قیادت میں حیدر آباد کے سرحدی علاقوں کا رخ کر رہا تھا۔ دوسرا قشون جس کی کمان سلطان کے بہترین جرنیل برہان الدین کے ہاتھ میں تھی بنکاپور اور مصری کوٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک اور لشکر مہا مرزا خاں کی قیادت میں رایچور اور کھتور کا رخ کر رہا تھا۔ اور

حسین علی خاں کی رہنمائی میں ایک لشکر پٹن کے گردو نواح کے اضلاع میں پیشوا اور نظام کے پالیگاروں کی سرکوبی پر مامور تھا اور باقی لشکر سلطان کی قیادت میں مرہٹوں کے نئے پڑاؤ کی طرف یلغار کر رہا تھا۔

ہری پنت نے سلطان کی آمد کی اطلاع ملتے ہی تہور جنگ، بھونسلے اور حیدر آباد اور پونا کی افواج کے چیدہ چیدہ سرداروں کا اجلاس طلب کیا اور اُن سے مشورہ کرنے کے بعد کالکیری کی طرف ہٹنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان کی فوج ابھی کوسوں دور تھی اور اتحادی بڑے اطمینان سے کالکیری کے راستے کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اچانک انہیں یہ اطلاع ملی کہ سلطان کے ہراول دستے غیر معمولی رفتار سے ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔

یہ خبر سنتے ہی لشکر کے ساتھ سفر کرنے والے گویوں، سازندوں، بھانڈوں اور رقاصاؤں میں سراسیمگی پھیل گئی اور انہوں نے اپنے سرپرستوں کو خیر باد کہہ کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ ہری پنت نے مرہٹہ راجوں اور سرداروں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو بھی واپس بھیج دیں۔ بعض لوگوں نے اس کی نصیحت پر عمل کیا۔ لیکن چند راجے اور سردار اپنی بیویوں سے جدا

ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ ہری پنت کو اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ فوج کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ بیکار نوکروں اور خدمتگاروں کی ایک بہت بڑی تعداد اور عیش و آرام کے غیر ضروری سامانوں سے لدے ہوئے اُونٹ اور گاڑیاں اس کی رفتار میں زبردست رکاوٹ پیدا کر رہی ہیں۔

لیکن یہ لوگ جنگ کو ایک تفریح سمجھتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تیار نہ ھتا۔ ایک طرف میسور کے سپاہیوں کی یہ حالت تھی کہ جب

انہیں بھوک پیاس محسوس ہوتی تھی تو وہ گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے اپنے تھیلوں سے خشک روٹی یا اُبلے ہوئے چاول کے چند نوالے نکال کر کھا لیتے تھے۔ اور دوسری طرف پونا اور حیدر آباد کے امراء کی حالت یہ تھی کہ وہ صرف حجامت بنوانے میں کئی کئی گھنٹے ضائع کر دیتے تھے۔



ایک دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ انور علی میسور کے پندرہ سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹیلے کی چوٹی پر اپنے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ ایک سپاہی نے نیچے وادی کے گنجان جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیجیے وہ آ گئے!''

انور علی نے وادی کی طرف دیکھا اور اُسے ہراول فوج کے چند دستے دکھائی دیے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ ٹیلے سے نیچے اُترتے وقت گھوڑوں کی سست رفتار اور ان کی جھکی ہوئی گردنیں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ ان سے بہت زیادہ کام لیا جا چکا ہے۔ ہراول فوج کے دستے انور علی اور اس کے سپاہیوں کو دیکھ کر وادی کے درمیان رک گئے۔

تھوڑی دیر بعد انور علی ہراول فوج کے سالار سید غفار کے سامنے کھڑا تھا اور فوج کے چیدہ چیدہ افسر اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

سید غفار نے کہا۔ ''کہو کیا خبر لائے ہو؟''

انور علی نے اپنے ہاتھ سے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس ٹیلے سے آگے دو میل کے فاصلے پر پہاڑی ہے اور اس پہاڑی سے چار میل دور ایک کھلے میدان میں دشمن کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ کل انہوں نے خلافِ معمول دو منزلیں طے کی تھیں لیکن آج وہ آرام کر رہے ہیں۔''

سید غفار نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے کہا۔ ''پھر ہمیں آگے جانے کی ضرورت نہیں ہم یہیں قیام کریں گے۔ سلطان معظم رات تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ اور اگر ہماری توپیں بروقت پہنچ گئیں تو ہم پچھلے پہر حملہ کرسکیں گے۔ اب مجھے ایک نہایت خطرناک مہم کے لیے تین نہایت ہوشیار اور بہادر آدمیوں کی ضرورت ہے۔ یہ مہم جس قدر اہم ہے اسی قدر خطرناک ہے اور اس کی نوعیت ایسی ہے کہ میں اپنے کسی سپاہی کو حکم نہیں دے سکتا۔ مجھے صرف رضا کار چاہیں۔''

انور علی نے کسی توقف کے بغیر ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنا نام پیش کرتا ہوں۔'' اور اس کے بعد تمام افسروں نے ہاتھ بلند کر دیے۔

سید غفار نے کہا۔ ''انور علی میں شکریے کے ساتھ تمہاری پیش کش قبول کرتا ہوں اور باقی دو آدمیوں کا انتخاب تم پر چھوڑتا ہوں۔ جن رضا کاروں نے ہاتھ بلند کیے ہیں وہ ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔''

تمام افسر جو وہاں موجود تھے ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ انور علی نے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک نظر دوڑائی اور اچانک اس کی نگاہیں ایک نوجوان پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ یہ اس کا اپنا بھائی مراد علی تھا۔

انور علی چند ثانیے تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ مراد تم کہاں تھے؟ میں نے تمہیں ہاتھ کھڑا کرتے نہیں دیکھا۔''

مراد علی نے جواب دیا۔'' میں آپ کے پیچھے کھڑا تھا اور آپ ان سب سے اس بات کی گواہی لے سکتے ہیں کہ آپ کے بعد دوسرا ہاتھ میرا تھا۔''

انور علی نے صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگانے کے بعد دوبارہ واپس مڑتے ہوئے ایک نوجوان کو اشارہ کیا اور وہ صف سے نکل کر الگ کھڑا

ہو گیا۔ اس کے بعد انور علی کچھ دیر باقی رضا کاروں کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اپنے دل پر ایک نا قابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''مراد تم بھی آجاؤ۔''

مراد علی مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور دوسرے رضا کار کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا ہو گیا۔

سید غفار نے آگے بڑھ کر کہا۔ '' نہیں انور علی تم زیادتی کر رہے ہو، میں دو بھائیوں کو ایک خطرناک مہم پر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

سید غفار نے ایک اور افسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''شمشیر خاں تم آجاؤ۔'' پھر اس نے مراد علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''مراد علی! معظم علی کے بیٹوں کو میرے سامنے اس بات کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ بہادر ہیں۔ تم فوراً سلطان معظم کے پاس جاؤ اور ان کی خدمت میں یہ عرض کرو کہ ہم اس جگہ ان کے احکامات کا انتظار کریں گے۔ اگر وہ رات کے وقت چند ہلکی توپیں یہاں پہنچا سکیں تو ہم پچھلے پہر دشمن پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اپنے دستے کے پانچ ساتھ لے جاؤ۔'

مراد علی تذبذب کی حالت میں سید غفار کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''جناب اگر آپ اسے گستاخی نہ سمجھیں تو میں روانہ ہونے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ بھائی جان کس مہم پر جا رہے ہیں؟''

سید غفار نے جواب دیا۔ ''یہ ایک مرہٹہ سپاہی کے بھیس میں دشمن کے پڑاؤ کا جائزہ لینے جا رہے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد انور علی اور اس کے ساتھی مرہٹہ سپاہیوں کے لباس میں سید غفار کے سامنے کھڑے تھے اور سید غفار ان سے کہہ رہا تھا۔ ''ہم رات ہوتے ہی اس ٹیلے سے اگلی پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر تمہاری ہدایات کا انتظار کریں گے آدھی

ات تک تمہارا واپس پہنچ جانا ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک سلطان معظم بھی پہنچ جائیں گے۔

تمہیں شام ہوتے ہی دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دشمن کافی چوکس ہوگا۔ اور تمہیں پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ لیکن ایک بار دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد تمہارے لیے تمام ضرری معلومات حاصل کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ پڑاؤ میں دشمن کی توپوں اور بارود کے متعلق تمہاری معلومات جس قدر مکمل ہوں گی۔ اُسی قدر ہمارا کام آسان ہوگا۔

میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تمہارے لیے دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہونے کی آسان ترین صورت کیا ہوگی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پڑاؤ سے باہر پہرے داروں کی ٹولیاں گشت کر رہی ہوں گی اور تمھارے لیے ان کے ساتھ شامل ہونا مشکل نہیں ہوگا۔ اگر تم یہ محسوس کرو کہ تمھارے لیے رات کے وقت دشمن کے پڑاؤ سے باہر نکلنا مشکل ہے تو تمھیں رات کے اڑھائی بجے بندوق چلا کر ہمیں خبردار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس وقت تک ہماری فوج کا ایک حصہ پڑاؤ کے قریب تمھارے اشارے کا انتظام کر رہا ہوگا۔"

انور علی نے جواب دیا۔" ایسی صورت میں مَیں صرف بندوق چلانے پر اکتفا نہیں کروں گا۔

بلکہ میں بارود کے کسی ذخیرے کو آگ لگانے کی کوشش کروں گا۔"

سید غفار نے کہا۔" لیکن میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم بلا وجہ اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اگر تم آدھی رات تک واپس آ کر سُلطان کی خدمت میں پڑاؤ کا صحیح نقشہ پیش کر سکو تو اس کا مطلب یہ ہوگا ہم آدھی

جنگ جیت چکے ہیں۔"

انور علی مسکرایا۔" تو میں پورے گیارہ بجے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"



رات کے گیارہ بج چکے تھے سید غفار' غازی خاں' ولی محمد' سید حمید' رضا خاں اور چند اور بڑے بڑے افسر ایک خیمے کے اندر جمع ہو کر انور علی اور اس کے ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے ایک پہریدار خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا" جوق دار انور علی پہنچ گئے ہیں۔"

غازی خاں نے کہا۔" اسے فوراً حاضر کرو!"

پہریدار چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد انور علی پانی اور کیچڑ سے لت پت خیمے میں داخل ہوا۔

سید غفار نے پوچھا۔" تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟"

انور علی نے جواب دیا۔" میں انھیں دشمن کے پڑاؤ میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ اس وقت پڑاؤ کے عین درمیان بارود کے ایک بہت بڑے ذخیرے کے اِرد گرد چکر لگا رہے ہوں گے اور ٹھیک تین بجے وہ بارود کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔"

غازی خاں نے کہا۔" انور علی تمھیں سلطان معظم کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ وہ پہنچنے ہی والے ہیں۔"

انور علی نے کہا۔" جناب میں دس منٹ کے اندر اندر دشمن کے پڑاؤ کا پورا نقشہ تیار کر سکتا ہوں۔"

غازی خاں کے اشارے پر ایک افسر نے خیمے کے کونے میں پڑا ہوا لکڑی

کا ایک صندوق کھولا اور ایک کاغذ اور مختلف رنگوں کی کئی ڈلیاں نکال کر انور علی کو پیش کر دیں اور انور علی وہیں فرش پر بیٹھ کر نقشہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے سے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور فوج کے افسروں کی نگاہیں خیمے کے دروازے پر مرکوز ہو گئیں۔

سلطان ٹیپو، فوسیو لالی اور اپنی فوج کے دوسرے افسروں کے ساتھ خیمے میں داخل ہُوا اور اس نے کسی توقف کے بغیر پُوچھا۔ " دشمن کے پڑاؤ کے متعلق کوئی اطلاح آئی ہے؟"

سید غفار نے جواب دیا۔ " حضور انور علی آ گیا ہے۔"

انور علی جو انتہائی انہاک سے نقشہ بنانے میں مصروف تھا۔ چونک کر اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر سلطان کو نقشہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ " عالیجاہ میں یہ نقشہ مکمل نہیں کر سکا۔"

سُلطان مشعل کے قریب فرش پر بیٹھ گیا اور ایک منٹ نقشہ پر نظر دوڑانے کے بعد بولا۔

"تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور میرے سوالات کا جواب دو۔"

انور علی سُلطان کے سامنے بیٹھ گیا اور سُلطان نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے ایک سرخ نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں کیا ہے؟"

انور علی نے جواب دیا۔ " عالیجاہ یہاں ہری پنت کی فوج ہے۔"

حیدر علی کی فوج کہاں ہے؟"

انور علی نے جلدی سے نقشے پر چند نشان لگانے کے بعد کہا۔ " عالیجاہ! ان کی فوج یہاں ہے ـــــ اس جگہ اُن کا توپ خانہ ہے ـــــ یہاں تہور جنگ کا خیمہ

ہے ____ اس جنگ اُن کی رسد اور بارُود کی گاڑیاں کھڑی ہے اس جگہ اُن کے سوار ہیں ____ اور اس جگہ اُن کے پیادہ دستے ہیں۔ اگر مجھے چند منٹ اور مل جاتے تو میں آپ کی خدمت میں مکمل نقشہ پیش کر سکتا تھا۔"

سُلطان نے کہا۔" نقشہ مکمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم صرف میرے سوالات کا جواب دیتے جاؤ۔ہلکر کی فوج کہاں ہے؟"

عالیجاہ! وہ اس جگہ ہے پڑاؤ کے بالکل درمیان۔ اس کے دائیں جانب اس جگہ بھونسلے کی فوج ہے۔ اس جگہ نواب شاہنور کے چند دستے ہیں۔ یہ سیاہ رنگ کے تمام نشان دشمن کے توپ خانے ہیں۔ یہ پیلے نشانات دوسرے مرہٹہ سرداروں اور راجوں کی افواج ہیں۔ باہر کے نشانات پڑاؤ کے محافظ دستوں کی بیرونی چوکیاں ہیں۔"

سُلطان نے کہا۔"جہاں تک مجھے یاد ہے اس پڑاؤ کے آس پاس ایک برساتی نالہ ہونا چاہیئے۔"

انورعلی جلدی سے ایک نیلے رنگ کی ڈلی کے ساتھ ایک لکیر کھینچتے ہوئے کہا۔

"عالیجاہ وہ نالہ یہ ہے؟"

ہری پنت یقیناً اِن سب سے ہوشیار ہے۔ کم از کم اتنا علم ضرور رکھتا ہے کہ اگر رات کی تاریکی میں بھاگنا پڑا تو اسے کون سا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔"

انورعلی نے نقشے پر ایک نشان لگاتے ہُوئے کہا۔" عالیجاہ! اگر ہم اپنی چند توپیں اس جگہ پہنچا سکیں تو ہری پنت کی فوج کو بھی کافی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔"

توپوں کی ہمیں دوسرے مقامات پر زیادہ ضرورت ہے اور ہری پنت کی روکنے کی بجائے اُسے بھاگنے کا موقع دینا ہمارے لیے زیادہ سُودمند ہوگا۔ مجھے تو

ج کے کسی اور افسر سے اس کارگزاری کی اُمید نہ تھی۔ آج سے کئی سال قبل جب میری عمر بہت چھوٹی تھی تو ایک نامور مجاہد جو پانی پت کی جنگ میں حصہ لے چکا تھا سرنگا پٹم تھا اور میں نے اس سے پانی پت کے میدان کا نقشہ تیار کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ اولوالعزم مجاہد تمہارا باپ تھا اور اس نے جو نقشہ بنایا تھا وہ آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

یہ کہہ کر سلطان اٹھا اور فوج کے افسروں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ انور علی یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے نقشے کی ہر تفصیل سلطان کے دماغ میں نقش ہو چکی ہے۔

سوار اور پیادہ فوج کے افسروں کو ضروری ہدایات دینے کے بعد سُلطان موسیولالی کی طرف متوجہ ہُوا۔ رات کے ٹھیک اڑھائی بجے دشمن کے دائیں بازو پر تمہارے توپخانے کی گولہ باری شروع ہو جانی چاہیے۔ انور علی تمہاری رہنمائی کرے گا۔ بائیں بازُو سے سید حمید کی توپیں گولہ باری کریں گی۔"

انور علی نے کہا، عالیجاہ! گستاخی معاف لیکن ہم تین بجے سے پہلے حملہ نہیں کر سکتے۔"

"اور کیوں؟"

"عالیجاہ! میرے دو ساتھی دشمن کے پڑاؤ میں ہیں اور وہ ٹھیک تین بجے دشمن کے سب سے بڑے بارُودی ذخیرے کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔"

سُلطان مُسکرایا۔ "تم انعام کے مستحق ہو۔ جاؤ اپنے کپڑے تبدیل کرو، مرہٹہ سپاہی کا لباس تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

پھر سُلطان نے موسیولالی اور توپ خانے کے دوسرے افسروں کی طرف متو

جہ ہو کر کہا۔ اب میں اپنے احکام میں ایک تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ توپخانوں کی گولہ باری بارُود کے ذخیرے کے دھماکے سے پندرہ منٹ بعد شروع ہونی چاہیے۔ اگر ہمارے آدمی ذخیرے کو آگ لگانے میں کامیاب نہ ہوں تو بھی ہمیں سوا تین بجے حملہ کر دینا چاہیئے۔"

چند منٹ بعد انور علی ایک چھوٹے سے خیمے میں اپنا لباس تبدیل کر رہا تھا۔

باہر سے مُراد علی نے آواز دی بھائی میں اندر آسکتا ہوں؟"

"آجاؤ!"

مراد علی اور لیگر انڈ خیمے میں داخل ہوئے۔

انور علی نے اپنی تلوار کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔ مراد! میں جانتا ہوں کہ تم میرے متعلق بہت پریشان تھے۔ لیکن اب باتوں کا وقت نہیں مجھے دشمن کے پڑاؤ میں کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ وہاں کسی نے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ تم کس راجے یا سردار کی فوج سے تعلق رکھتے ہو۔ لوگ صرف بارش کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ میرا سفر بہت دلچسپ تھا۔ ایک خیمے کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے طبلے اور سارنگی کے ساتھ ایک رقاصہ کی پائل کی جھنکار سنائی دی اور وہ ایک دلچسپ گیت گارہی تھی لیکن مجھے صرف چند الفاظ یاد رہ گئے ہیں۔"

مُراد علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ بھائی جان وہ ضرور سُنایئے!"

"وہ گا رہی تھی۔ آئی ہے برسات، بالم آئی ہے برسات۔ اور آگے مجھے یاد نہیں رہا۔ اب چلو!"

انور علی نے لیگر انڈ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرانسیسی زبان میں کہا۔ ہمیں راستے میں باتیں کرنے کے لیے کافی وقت ملے گا۔



اڑھائی بجے کے قریب بارش کی شدت میں کچھ کمی آ چکی تھی۔ اور انور علی فرانسیسی توپخانے کے کمانڈر موسیو لالی سے کہہ رہا تھا۔ اب دشمن کے پڑاؤ کی بیرونی چوکیاں یہاں سے بہت قریب ہیں۔ ہمیں اور آگے بڑھنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ آپ کی توپوں کا رُخ میرے دائیں طرف ہونا چاہیے۔ تین بجے تک آپ کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ دشمن آپ کے متعلق خبردار نہ ہو۔ اگر پڑاؤ آپ کی توپوں کی زد سے باہر ہو تو بھی آپ کو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ آپ کا اولین مقصد پڑاؤ میں سراسیمگی پھیلانا ہے۔ توپ خانے کو اس جگہ سے آگے لے جانے کے لیے آپ کو مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اب مجھے اجازت دیجیئے، میں حملہ شروع ہونے سے پہلے اپنے رسالے کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔"

موسیو لالی نے کہا۔ بہت اچھا آپ جا سکتے ہیں۔

چند سپاہی جو انور علی کے ساتھ آئے تھے تھوڑی دور گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ انور علی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

اچانک ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور آہستہ سے کہا۔" موسیو انور علی ٹھہریے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کون ______ لیگر انڈ؟" انور علی نے رُکتے ہوئے کہا۔

لیگر انڈ نے کہا۔" مجھے راستے میں آپ سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔"

"لیکن یہ باتوں کا وقت نہیں۔"

"میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

" بہت اچھا کہیے۔

لیگرانڈ نے کہا۔" میں آپ سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے اس جنگ میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ جین کو یہ محسوس نہیں ہونے دیں گے کہ وہ اس دنیا میں بے سہارا ہے۔"

چند ثانیے انور علی کے منھ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بالآخر اس نے لیگرانڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔میرے دوست تمھیں جین کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں اس لڑائی میں آنچ نہیں آئے گی اور تم بہت جلد سرنگاپٹم جاسکو گے۔"

لیگرانڈ نے کہا۔" مجھے اپنی زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اگر مجھے اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ آپ اُسے سہارا دے سکیں گے تو چہرہ میرے لیے اس قدر بھیانک نہیں ہوگا۔"

انور علی نے کہا۔" یہ وقت اور یہ مقام اس قسم کی شاعری کے لیے موزوں نہیں تمھاری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گزشتہ حادثات نے تمھیں اذیت پسند بنا دیا ہے اب میں اس بات کی پوری کوشش کروں گا کہ تم جنگ ختم ہوتے ہی شادی کرلو۔"

لیگرانڈ نے کہا۔" انوار علی مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے متعلق جین کے خیالات کیا ہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہا گر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ اس کے لیے زندگی کا آخری سہارا بن سکتے ہیں اور آپ اُسے وہ سب کچھ دے سکتے ہیں جو میں نہیں دے سکتا۔ میں آپ کی زبان سے صرف یہ سُننا چاہتا ہوں کہ اگر مستقبل کے حالات یہ ثابت کردیں کہ جین کو میری نسبت آپ کی زیادہ ضرورت ہے تو آپ اس کو مایوس نہیں کریں گے۔"

"لیگر انڈ تمھیں ایک دوزست کے مُنہ پر تھپڑ مارنے کی جُرات نہیں کرنی چاہیے۔ میں جس جین کو جانتا ہوں وہ تمہاری ہے اور صرف تمہاری رہ کر ہی وہ میری نگاہوں میں کوئی عزت حاصل کر سکتی ہے۔ میں اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر انور علی آگے بڑھا اور اپنے ایک ساتھی کے ہاتھی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ کر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں غائب ہو چکے تھے اور لیگر انڈ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ جین مجھے اپنی کم مائگی کا احساس ہے۔ مین جانتا ہوں کہ ہمیں صرف حوادث کے سیلاب کی موجوں نے ایک دوسرے کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ ہمارے راستے مختلف تھے۔ یہ میری خود فریبی ہے کہ میں نے تمھیں اپنی اُمیدوں اور آرزووں کا مرکز بنا لیا ہے لیکن اگر تم اپنے مستقبل کے متعلق انور علی سے کوئی توقع وابستہ کر چکی ہو تو تم مجھ سے زیادہ نادان ہو۔"

☆

رات کے تین بجے دشمن کے پڑاؤ کے درمیان اک کا ایک مہیت شعلہ بلند ہوا۔ اور سپاہی ایک خوفناک دھماکے کی آوز سُن کر افراتفری کی حالت میں اپنے خیموں سے باہر نکلنے لگے۔ پھر چند منٹ بعد ایک طرف سے لاتعداد گھوروں کی ٹاپ سنائی دی اور ریسور کے برق رفتار دیتے مار دھاڑ کرتے ہوئے آن کی آن میں پڑاؤ کے عقب میں جا پہنچے۔ اس کے بعد دو اطراف سے توپوں کی دگنا دگن اور تیسری سمت سے بندوقوں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔

ہری پنت جو اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ چوکس تھا معمولی نقصان اٹھانے کے بعد راہ، فرار اختیار کر چکا تھا۔ لیکن باقی لشکر کی یہ حالت تھی کہ سپاہی اپنے

افسروں اور افسر اپنے سپاہیوں سے بے خبر تھے۔ ہر نواب، ہر راجہ اور ہر سردار اپنے کیمپ کی بجائے اپنے ساتھیوں کے کیمپ زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔ جو افواج مشرق کی طرف تھیں وہ مغرب کا رُخ کر رہی تھیں اور جو مغرب کی طرف تھیں وہ مشرق کو اپنے لیے زیادہ محفوظ سمجھتی تھیں۔ ایک لشکر شمال سے جنوب کی طرف بھاگ رہا تھا تو دوسرا جنوب سے شمال کا رُخ کر رہا تھا۔

اس افراتفری کے عالم میں دوست دشمن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ایک مرہٹہ فوج دوسری مرہٹہ فوج کے ساتھ اور ایک حیدر آبادی دستہ دوسرے حیدر آبادی دستے کے ساتھ گُتھم گُتھا ہو رہا تھا۔ جو سپاہی ذرا ہوش و حواس اور ہمت سے کام لے کر اپنے مورچوں میں بیٹھ گئے تھے۔ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان توپوں اور بندوقوں کا رُخ کس طرف ہونا چاہیے۔ پو پھٹنے تک سینکڑوں مرہٹہ اور حیدر آبادی سپاہی زخمی اور ہلاک ہو چکے تھے۔ دائیں اور بائیں بازو سے میسور کے توپ خانے اس قدر قریب آ چکے تھے کہ پڑاؤ کا کوئی حصہ ان کی گولہ باری سے محفوظ نہ تھا اور پڑاؤ کے باہر میلوں تک اتحادی لشکر کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

تہور جنگ، بھونسلے، ہُلکر اور دوسرے مرہٹہ اور مغل سردار جو انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں رات کی تاریکی ساتھیوں کو جمع کر رہے تھے انھیں جس قدر اپنی شکست اور تباہی کا افسوس تھا اسی قدر اس بات کا افسوس تھا کہ ہری اپنی بیشتر فوج اور سامانِ جنگ بچا کر میدان سے نکل چکا ہے۔

صبح کے آٹھ بجے تک پڑاؤ کے اندر مرہٹہ اور حیدر آبادی سپاہیوں کی رہی سہی مزاحمت بھی ختم ہو چکی تھی اور فاتح لشکر دشمن کے خالی گھوڑوں اور رسد اور بارُود سے لدی ہوئی بیل گاڑیوں اور اُونٹوں کی جمع کر رہا تھا۔ سلطان کے طوفانی دستے کئی

میل تک بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے۔ میسور کے سپاہیوں کے لیے۔ جو ایام جنگ میں زمین کے فرش پر سونے کے عادی تھے، دشمن کے کشادہ اور بیش قیمت سازو سامان سے آراستہ خیمے عجائب گھروں سے کم نہ تھے۔

آٹھواں باب

دن کے دس بجے کے قریب سُلطان ٹیپو مغل علی خاں کے خالی خیمے میں رونق افروز تھا۔ یہ خیمہ مخمل کے پردوں اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھا۔ سلطان کے سامنے میز پر ایک کشادہ نقشہ کھُلا ہوا تھا اور چند آزمودہ کار جرنیل اس کے گرد کھڑے تھے۔سلطان نے اپنے قلم سے نقشے پر چند نشان لگانے اور چند لیکریں کھینچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف مُتوجہ ہو کر کہا۔اب ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ دشمن کا نیا پڑاوٗ کہاں ہو گا۔ اب وہ کسی میدان میں ہمارے سامنے آنا پسند نہیں کرے گا۔ ہماری اگلی منزل کوپال اور بہادر بندہ کے قلعے ہیں اور انھیں کھو بیٹھنے کے بعد دشم کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٗٹ جائے گی۔

انور علی خیمے میں داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا عالیجاہ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ قیدی عورتوں میں ہُلکر کی اہلیہ بھی ہے چند اور عورتیں بھی بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

سلطان نے کہا، ایسی اطلاع مجھے فوراً ملنی چاہیے تھی اور میں نے یہ حکم دیا تھا کہ خواتین کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے تم نے ان کے آرام کے لیے کیا بندوبست کیا ہے۔

انور علی نے جوب دیا۔ عالیجاہ ! میں انھیں اس پڑاوٗ کے بہترین خیموں میں ٹھہرانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن وہ کہتی ہیں کہ جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو تا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا ہم باقی قیدیوں کے ساتھ رہنا پسند کریں گی۔

سُلطان نے کہا اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔تم میرے ساتھ

آؤ!

تھوڑی دیر بعد سلطان اپنے چند افسروں کے ساتھ قیدی عورتوں کے سامنے کھڑا تھا۔ مرہٹہ عرتیں اپنے سروں کے بال کھولے اپنے بچھڑے ہوئے شوہروں اور رشتہ داروں کا ماتم کر رہی تھیں سلطان کے رعب وجلال نے ان پر تھوڑی دیر کے لیے سکوت طاری کر دیا۔

سلطان نے کہا۔ آپ میں سے ہلکر کی اہلیہ کون ہے؟

قیدی عورتیں چند ثانیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں۔لیکن کسی نے جوب نہ دیا، بالا آخر ایک ادھیڑ عمر کی بوقار عورت آگے بڑھی اور اُس نے ہمارے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟

سلطان نے اپنی کمر سے سبز رنگ کا ریشمی پٹکا کھولا اور ہلکر کی بیوی کے سر پر ڈالتے ہوئے کہا، ہلکر کی بیوی کو میرے سامنے ننگے سر نہیں کھڑے ہونا چاہیئے۔ میں اس ملک کی کسی عورت کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔

پھر سُلطان نے مڑ کر انور علی کی طرف دیکھا اور کہا۔ انور علی تم ایک قابل عزت باپ کے بیٹے ہو اور میں تمھیں ایک نہایت اہم ذمہ دار سونپ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان کے آرام کا پورا خیال رکھو گے۔

انور علی نے جواب دیا۔ عالیجاہ! میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔

سلطان کچھ اور کہے بغیر اپنے خیمے کی طرف چل رہا۔ ہلکر کی بیوی کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے ایک مرہٹہ سردار کی بیوی کی طرف دیکھا اور کہا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ایک سپنا دیکھا ہے۔ وہ انسان نہیں ایک دیوتا ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا پاپ ہے۔

تھوڑی دیر فوج کا ایک افسر سُلطان کی طرف سے ہر قیدی عورت کو ایک ایک چادر اور دو دو مہریں تقسیم کر رہا تھا۔



اگلے دن سلطان ٹیپو اپنے گورنروں اور مختلف محازوں پر پھیلی ہوئی افواج کے سپہ سالاروں کے خطوط پڑھنے اور ان کے جواب لکھوانے میں مصروق تھا۔ دو کاتب قالین پر بیٹھے اس سے ہدایات لے رہے تھے۔سُلطان کرسی پر بیٹھنے کی بجائے خیمے کے اندر آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔میر مُنشی ایک کشادہ میز کے قریب اور سلطان ٹیپو کے باڈی گارڈ دستے کا ایک افسر خیمے کے دروازے کے قریب کھرا تھا۔

سلطان ٹہلتے ٹہلتے ایک خط کا جواب لکھوانے کے بعد میر مُنشی کی طرف مُتوجہ ہو تا اور وہ میز سے دُوسرا خط اٹھا کر پیش کر دیتا۔ ان خطوط میں حکومت کے ہر محکمے کے بڑے اور چھوٹے مسائل زیر بحث آتے تھے سلطان ہر خط کو صرف ایک نظر دیکھتا اور کسی توقف کے بغیر جواب لکھوانا شروع کر دیتا۔ لیکن اس کے خیالات اور الفاظ کے تسلسل کا یہ عالم تھا کہ کاتب بڑی مشکل سے اس کی رفتار کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ کبھی اپنے کسی سلار کو کسی اہم چوکی یا قلعے پر حملہ کرنے کی ہدایت لکھواتا۔کبھی کسی مظلوم آدمی کی درخواست پڑھ کر مقامی حاکم کو اس کی دادرسی کی ہدایت کرتا۔ کبھی کسی عدالت کے غلط فیصلے پر اسے سرزنش کرتا اور کبھی کسی نئے صنعتی یا زرعی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے احکام صادر کرتا۔

سلطان ٹہلتے خیمے کے ایک دریچے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔باہر سے انور علی خیمے کے دروازے پر نمودار لیکن سلطان کے باڈی گارڈ کا اشارہ پا کر رُک گیا۔

سلطان چند جملے لکھوانے کے بعد اپنے میر مُنشی کی طرف متوجہ ہوا تو باڈی گارڈ نے

کہا۔ عالی جاہ! جوق دار انور علی حاضر ہے۔"

سلطان نے دروازے کی طرف دیکھا اور انور علی نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

سُلطان نے اپنے ہونٹوں پر ایک شفقت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

انور علی جوق دار نہیں رسالدار ہے۔"

انور علی نے اپنے دل مین خوشگوار دھڑکنیں محسوس کیں اور تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ عالیجاہ! اگر اجازت ہو تو میں اپنے دو ساتھیوں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

سلطان نے کہا مجھے ان کی کارگزاریوں کا اعتراف ہے اور میں نے انھیں ترقی دے دی ہے۔ سید غفار نے جن افسروں کے متعلق سفارش کی تھی ان میں تمھارا بھائی بھی ہے اور اسے تمھاری جگہ مل گئی ہے۔ اب میں تمھیں ایک اہم مہم ان میں تمھارا بھا ئی بھی ہے اور اسے تمھارجگہ مل گئی ہے۔ اب میں تمھیں ایک اہم مہم پر بھیجا چاہتا ہو ں۔ قیدی عورتوں کو دشمن کے پڑاؤ میں پہنچانے کے لیے کسی ہوشیار اور فرض شناس آدمی کی ضرورت تھی اور میں نے تمھیں اس کام لے لیے منتخب کیا ہے۔ تم کل علی الصباح ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ اپنے ساتھ بلیس سوار لیتے جاؤ۔ ان کے لیے پالکیاں مہیا کی جا رہی ہیں اور پالکیاں اٹھانے کے لیے دشمن کے چند قیدیوں کو رہا کر دو۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ راستے میں انھیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چا ہیے۔"

عالیجاہ! میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔"

"بہت اچھا تم جا سکتے ہو۔"

انور علی نے سلام کیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔



پونا اور دکن کی شکست خوردہ افواج تنگھدرہ کے آس پاس تمام علاقے اپنے لیے غیر محفوظ سمجھتے ہوئے دریائے کرشنا کے قریب جمع ہو رہی تھیں۔

ایک دن لشکر کے سردار ایک خیمے میں جمع ہو کر تازہ صورت حال پر بحث کر رہے تھے۔ تہور جنگ، ہلکر، بھونسلے اور دوسرے راجے اور سردار یکے بعد دیگرے متحدہ افواج کے سپہ سالار ہری پنت پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ اس بحث میں وہ لوگ زیادہ تلخی کا مظاہرے کر رہے تھے جو اپنی بیویاں میدان جنگ میں چھوڑ آئے تھے۔

ہری پنت غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور بلند میں آواز میں چلایا۔ ''آپ میں کوئی ایسا جو مجھے بز دلی کا طعنہ دے سکے میں نے بار بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ہم سیر و تفریح کے لیے نہیں آئے۔ بلکہ جنگ کے لیے آئے ہیں اور ہماری جنگ ایک ایسے دشمن کے ساتھ ہے جو کئی میدانوں میں انگریزی جوج کے بہترین جرنیلوں کے دانت کھٹے کر چکا ہے اس لیے ہمیں عورتوں کو ساتھ نہیں رکھنا چاہیے۔ میں آپ کو بارہا خبر دار کیا تھا کہ عیش و آرام کے جو لوازمات آپ لوگ ساتھ لائے ہیں اس کے باعث ہمارے لیے نقل و حرکت میں بہت سی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں آپ کے لیے نوکروں اور خدمت گاروں کی دیکھ بھال اور حفاظت ایک مسئلہ بن چکی تھی۔ ہمارا مقابلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ تھا جس کے سپاہی جنگ کے ایام میں اپنے تھیلوں میں پڑی ہوئی دو سوکھی روٹیوں یا مٹھی بھر ابلے ہوئے چاولوں کو دو وقت کی ضرورت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ کے ہمراہ ہزاروں اُونٹ اور سینکڑوں بیل گاڑیاں غیر ضروری سازو سامان سے لدی ہوئی تھیں۔ ہم انتہائی

ضرورت کے وقت جتنا سفر ہفتوں میں کرتے تھے میسور کے سپاہی اتنا سفر دنوں میں کر لیتے تھے۔ میں نے دشمن کے حملے سے دو دن قبل آپ کی تھی کہ غیر ضروری سامان سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں اور اُونٹ اور لا تعداد خدمت گاروں کو واپس بھیج دیا جائے۔ لیکن آپ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ رکھنے پر مُصر تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس رفتار سے ہم سفر کر رہے تھے اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ دشمن اپنے بھاری توپ خانے سمیت آگے بڑھ رہا تھا۔

پھر میں نے کالیکری کی طرف پیش قدمی کرتے وقت یہ کوشش کی تھی کہ ہمارا پورا لشکر ایک ساتھ آگے بڑھنے کی بجائے چھ حصوں میں تقسیم ہو کر سفر کرے۔ لیکن آپ کے لیے میرا یہ مشورہ قابل قبول نہ تھا۔ رات کے وقت جب بارش ہو رہی تھی تو میں نے یہ کہا تھا کہ دشمن صرف چند میل دُور ہے اور ہمیں آرام کرنے کی بجائے اس کے مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے لیکن آپ لمبی تان کر سو گئے۔ اور جن سپاہیوں کو آپ نے پڑاؤ کی حفاظت سونپی تھی وہ نمک حرام ثابت ہوئے۔

میرا قصور صرف یہ ہے کہ دشمن کے اچانک حملے کے وقت میں بیدار تھا اور

میرے

سپاہی آپ کے سپاہیوں کی نسبت زیادہ چوکس تھے اس لیے مجھے اپنی فوج بچا کر نکلنے کا موقع مل گیا۔ اگر آپ میں سے کوئی ڈٹ کر لڑتا تو وہ مجھے طعنہ دے سکتا تھا۔ لیکن آپ میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ میدان میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت ہم سب کے سامنے صرف اپنی جانیں بچانے کا مسئلہ تھا۔ فرق صرف یہ ہُوا کہ میں نے اپنی فوج اس وقت نکال لی تھی جب کہ پڑاؤ کے گرد دشمن کا گھیرا ابھی مکمل نہیں ہُوا تھا اور آپ اس وقت اپنے بستروں سے اٹھے جب

دشمن پوری شدت کے ساتھ چاروں اطراف سے حملہ کر چکا تھا۔

دن کے وقت دشمن کا حملہ کتنا ہی اچانک کیوں نہ ہوتا ہمارے لیے یہ صورت حالات پیدا نہ ہوتی۔ ہم پڑاؤ سے آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرتے لیکن رات کی تاریکی میں اس قدر غیر متوقع حملے کے بعد ہمارے لیے فوج کو منظم کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اب ہمیں ماضی کے متعلق سوچنے اور آپس میں جھگڑے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہمیں شکست ہوئی ہے لیکن اس وقت ہم یہ سوچنے کے لیے جمع ہوتے ہیں کہ ہم نے اس شکست سے کیا سبق حاصل کیا ہے۔

میرے دوستو: ہم نے ایک لڑائی میں شکست کھائی ہے لیکن جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے ہمارے پاس اب بھی اتنی فوج ہے کہ اگر ہم ہمت سے کام لیں تو چند ہفتوں میں سرنگا پٹم پہنچ سکتے ہیں مجھے یقین ہے کہ چند دنوں تک ہمیں پونا اور حیدر آباد سے مزید کمک پہنچ جائے گی اور ہم اس شکست کا بدلہ لے سکیں گے۔"

ایک مرہٹہ سردار نے اٹھ کر کہا "میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے ہماری ان عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے جو اس وقت دشمن کی قید میں ہیں؟"

ہری پنت نے جواب دیا۔ "میرے دوست یہ صرف آپ کی عزت کا مسئلہ نہیں ہم سب کی عزت کا مسئلہ ہے۔ اپنی عورتوں کو قید سے چھڑانے کے لیے ہم دشمن کو شکست دیں گے۔"

سردار نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم دشمن کو شکست نہ دے سکیں تو ہماری عورتیں ان کے قبضے میں رہیں گی؟"

ایک اور سردار نے اٹھ کر کہا اس وقت یہ بحث فضول ہے کہ اگر ہم سلطان ٹیپو

کے ساتھ مصالحانہ گفتگو سے ان عورتوں کو آزاد کرالیں تو بھی باغیرت مرہٹہ انھیں دوبارہ اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔"

ہلکر نے اٹھ کر غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔" اگر تم میں سے کسی نے ان عورتوں کے متعلق کوئی بدکلامی کی تو میں اسکی زبان کھینچ لوں گا۔ میری بیوی بھی مسلمانوں کی قید میں ہے اور میں تم سب کے سامنے یہ علان کرتا ہوں کہ کوئی مرہٹہ عورت اس سے زیادہ قابل عزت نہیں۔"

اس چند مرہٹہ راجوں اور سرداروں کو طیش آ گیا اور وہ ہلکر کے ساتھ بدکلامی پر اُتر آئے

اچانک ایک مرہٹہ نوجوان خیمے کے اندر داخل ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر ہلکر کو پرنام کرتے ہوئے کہا" مہاراج: رانی صاحبہ دوسری قیدی عورتوں کے ساتھ پچھلی چوکی پر پہنچ گئی ہیں۔ میسور کی فوج کا ایک افسر اور بیس مسلح سپاہی ان کے ساتھ ہیں رانی صاحبہ ہماری چوکی پر رُک گئی ہیں اور ان کے ساتھ آنے والی تمام عورتیں یہ کہتی ہے کہ جب تک ہمارے آدمی ہمیں لینے کے لیے یہاں نہیں آئیں گے۔ ہم آگے نہیں بڑھیں گی۔"

ایک مرہٹہ سردار نے کہا۔" جاؤ انھیں کہہ دو کہ یہاں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

ہُلکر نے تلملا کر کہا۔" تم اُن کے متعلق کچھ کہنے والے کون ہو؟"

سردار نے جواب دیا۔" آپ مجھے اپنی بیوی کے متعلق کچھ کہنے سے منع نہیں کر سکتے۔"" ہُلکر نے لاجواب ہو کر حاضرین مجلس کی طرف دیکھا اور کہا۔" میں ان کے استقبال کے لیے جا رہا ہوں۔ آپ میں سے کون ہے جو میرے ساتھ آنا چاہتا

ہے؟"

خیمے کے اندر تھوڑی دیر کے لیے سکوت طاری ہو گیا۔ پھر چھ مرہٹہ سردار یکے بعد دیگرے اٹھ کر آگے بڑھے اور ملکر کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آئے۔

نوجوان ایلچی جو عورتوں کے متعلق پیغام لایا تھا، کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔" دشمن نے تمام عورتوں کو بھیج دیا ہے۔"

بھونسلے نے اس کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا" بھاگ جاو یہاں سے تمام مرہٹے بے غیرت نہیں ہو سکتے۔"

نوجوان بددل سا ہو کر خیمے سے باہر نکل آیا اور بھاگتا ہوا ہلکر اور اس کے ساتھیوں سے جا ملا۔ خیمے سے تھوڑی دور ہلکر نے اس کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔

" عورتیں پیدل آئی ہیں؟"

"نہیں مہاراج۔ دشمن نے انھیں پالکیوں پر سوار کرا کے بھیجا ہے اور وہ لوگ جو ان کی پلکیاں اٹھا کر لائے ہیں ہماری اپنی فوج کے آدمی ہیں جنھیں دشمن نے رہا کر دیا ہے۔"



مرہٹہ عورتیں پالکیوں سے نکل کر درختوں کی چھاوں میں بیٹھی اپنے آدمیوں کا انتظار کر رہی تھیں میسور کے سوار اور وہ مرہٹہ قیدی جو اُن کے ساتھ آئے تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو سوار شمال کی طرف سے نمودار ہوئے اور تھوڑی دیر میں چوکی کے قیب پہنچ گئے۔

چوکی کے ایک سپاہی نے بلند آواز میں کہا۔" مہاراج ملکر خود تشریف لا رہیں۔"

میسور کے سپاہی اپنے نوجوان سالار کے حکم سے آگے بڑھ کر ایک صف میں کھڑے ہو گے۔

ہلکر نے اپنے ساتھیوں کو جن میں سے اکثر اس کی فوج کے بڑے بڑے افسر تھے چند قدم دُور ہاتھ کے اشارے سے رُکنے کا حکم دیا۔ پھر وہ اور چھ اور سردار اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے اور سیدے عورتوں کی طرف بڑھے۔ اور چند ثانیہ بعد یہ لوگ مُجرموں کی طرح اپنی بیویوں کے سامنے کھڑے تھیم ہلکر کے ہونٹ بھنچے ہوے تھے اور وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر اس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ ''رانی میں شرمندہ ہوں۔ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سلتا کہ رسوئی کی زندگی میرے لیے موت سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔'' ہلکر کی بیوی نے فوراً گفتگو کا رُخ بدلنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس نے پوچھا ''باقی لوگ کیوں نہیں آے؟

ہلکر نے اصلی وجہ ظاہر کرنے کی بجائے جواب دیا ہم اُن کا انتظار نہیں کر سکے میں آپ سب کی سواری کے لیے ہاتھی لانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر خیال ہوا کہ ہاتھی تیار کرنے میں دیر ہو جاے گی۔''

وہ بولی۔ ''مہاراج آپ کو ہم سے پہلے میسور کے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا۔ وہ اگر کسی بڑے انعام کے مستحق نہیں تو آپ کی طرف سے شکریہ کے حقدار ضرور ہیں۔''

ہلکر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا سپاہیوں کی طرف بڑھا۔ میسور کے سپاہیں نے اُسے سلامی دی اور اس کے بعد اُن کا افسر آگے بڑھ کر ہلکر کے سامنے مؤدب کھڑا ہو گیا۔

ہلکر نے پوچھا تم ان کے افسر ہو۔"

جی ہاں!"

"تمھارا نام؟"

"انور علی؟"

میسور کی فوج میں تمھارا عہدا کیا ہے؟"

جی میں رسالدار ہوں۔"

میرا نام ہلکر ہے اور میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

انور علی نے کہا جی ہم نے صرف اپنا فرض پورا کیا ہے اور اب اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہیں سے واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"تمھیں کم از کم ایک دن میرے پاس ضرور ٹھرنا چاہیے۔ ہمارا پڑاؤ زیادہ دُور نہیں"

ہلکر نے اپنے گلے سے موتیوں کی ایک مالا اور سونے کی کنٹھی جس میں بیش قیمت ہیرے جڑے ہُوئے تھے اتاری اور انور علی کو پیش کرتے ہوئے کہا" میں آپکے سپاہیوں، اور یہ کنٹھی آپ کا انعام ہے۔" انور نے جواب دیا۔" ہلکر نے کدرے توقف کے بعد کہا۔" آپ سلطان ٹیپو کو میری طرف سے یہ پیغام دیں کہ انھوں نے میری گردن پر ایک پہاڑ رکھ دیا ہے اور وہ مجھے ناشکرا نہیں پائیں گے

انور علی نے ہلکر کو سلام کیا اور اپنے سپاہیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ جن عورتوں کے ورثا انھیں واپس لینے کے لیے تیار نہ تھے وہ ہلکر کی بیوی کے پس ٹھہر گیئں اگلے روز ہلکر کی لعنت ملامت کے باعث چند اور سردار اپنی بیویوں کو واپس لینے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن بعض صورت یہ بُھولنے کے لیے تیار نہ تھے کہ

ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضہ میں رہ چکی ہیں۔ مرہٹہ قیدی جوان عوتوں کے ساتھ آئے تھے، ان کی پک دامنی کی قسمیں کھاتے تھے۔ لیکن مرہٹہ کیمپ میں ان متعصب برہمنوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی جو سلطان ٹیپو کے خلاف ایک جذباتی ہیجان پیدا کرنے کا کوئی موقع کھونے کے لیے تیار نہ تھے۔ اب وہ ان عورتوں سے چند من گھڑت داستانیں منسوب کر کے اس واقعہ کو پوری مرہٹہ قوم کی عزت کا مسلہ بنانا چاہتے تھے



تین دن بعد میسور کے خلاف جوابی کاروائی کی تجاویز پر غور کرن کے لیے حیدر آبادی اور مرہٹہ افواج کے راہنما ہری پنت کی خیمے، میں جمع تھے۔ اس اجلاس میں ایک انگریز افسر مسٹر ہون بھی لموجود تھا، جو دو دن قبل پونا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ سر چارلس میلٹ سے خاص ہسایات لے کر وہاں پہنچا تھا۔ ہلکر نے اس اجلاس کی کاروائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا اور حاضری مجلس اس کی غیر حاغری بہت محسوس کر رہے تھے ایک مرہٹہ سردار نے اٹھ کر یہ تجویز پیش کیا کہ ملکھر کو منانے کے لیے ایک وفد بھیجا جائے۔

ابھی اس تجویز پر بحث ہو رہی تھی کہ اندور کی فوج کا ایک افسر خیمے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔" ہلکر مہاراج تشریف لا رہے ہیں۔"

چند منٹ بعد ہلکر خیمے کے اندر داخل ہوا۔ حاضرین مجلس نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کرسیوں سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا ہری پنت نے اسے اپنے دائیں جانب بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس کی طرف توجہ دیے بغیر چند قدم دور بیٹھ گیا۔

اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی اور ہری پنت نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

دوستو؛ اور بھائیو؛ ہم جن حالات کا سامنا کر رہے وہ آپ سے پوشید نہیں ہمیں فوراً کوئی فیصلہ کرنا چاہیے اگر ہم نے پیش قدمی میں مزید تاجر سے کام لیا تو تنگبھد رہ اور کرشنا کے درمیان ہمارے کئی قلعے دشمن کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ ہم نے گزشتہ لڑائیوں میں جو نقصانات اٹھائے ہیں ان کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ برسات کے موسم میں ہمارا رسد اور کمک کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ لیکن اب ہمارے راستے میں وہ دشواریاں نہیں ہیں اب اگر ہم دریائے تنگبھد عبور کر کے جنوب کی طرف دشمن کے لیے محاذ کھول دیں تو اس کے لیے تنگبھد کے اس پار ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا برسات کے موسم میں دشمن کی کامیابیوں کا مدار اس کی پیادہ فوج پر تھا۔ لیکن اب پہل ہمارے سواروں کے ہاتھ گی۔ اگر ہم نے آئندہ چند ماہ مدافعانہ کرروائی پر اکتفا کیا تو اگلے موسمِ برسات میں ہمارے لیے دریائے کرشنا کے پار ٹھہرنا بھی مشکل ہو جائے گا اگر ہم وقت ضائع نہ کریں تو جنگ کا فیصلہ ابھی ہمارے ہاتھ ہے۔“

ہلکر نے اٹھ کر کہا مجھے ڈر ہے کہ آئند برسات تک اگر ہمیں صرف بازوؤں پر بھروسہ کرنا پڑا تو دشمن کا لشکر پونا اور حیدر آباد کے دروازوں پر دستک دے رہا ہوگا۔“

بھونسلے نے اُٹھ کر کہا ہلکر مہاراج آپ کو ایسی گفتگو زیب نہیں دیتی۔ اگر آپ کے پاس کوئی بہتر تجویز ہو تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔“

ہلکر نے جواب دیا۔ ”میں یہاں کوئی تجویز لے کر نہیں آیا ہوں میں صرف یہ جانتا ہوں کہ انگریز جن کی شہ پر ہم نے یہ جنگ شروع کی تھی اس وقت کیا سوچ رہے ہیں؛ وہ ابھی تک میدان میں کیوں نہیں آئے سر چارلس میلٹ نے آپ کے

حوصلے بلند کرنے کے لیے اپنا ایلچی بھیجا چاہتا ہوں کہ وہ کیا پیغام لایا ہے؟''

حاضرین مجلس کی نگاہیں مسٹر یون پر مرکوز ہو گئیں وہ اٹھا اور ہلکر سے مخاطب ہو کر بولا

''یور ہائینس اگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے کوئی وعدہ کیا ہے تو وہ ضرور پورا کیا جائے گا۔لیکن آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آپ کے میدان جنگ میں آنے سے پہلے ہم ایک مدت تک تنہا دشمن کے ساتھ لڑ چکے ہیں۔اب ہمیں دوبارہ میدان میں آنے سے پہلے تیاری کی ضرورت ہے۔''

ہلکر نے طنزیہ آمیز لہجے میں جہا۔'' اور تمہاری تیار اس وقت مکمل ہو گی جب ہماری رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہہ چکا ہو گا۔پھر تم صرف سلطان ٹیپو ہی سے نہیں بلکہ پونا اور حیدر آباد کی حکومتوں سے بھی اپنی شرائط منوا سکو گے۔مسٹر میلٹ کئی بار ہمیں یہ تسلی دے چکے ہیں کہ لارڈ کارنوالس ایک مضبوط آدمی ہیں اور وہ گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالتے ہی میسور کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہمیں کب تک لارڈ کارنوالس کی تیاریوں کا انتظار کرنا پڑے گا؟''

مسٹر یون نے کہا۔'' یور ہائینس! آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ لارڈ کارنوالس ایک مضبوط آدمی ہیں۔اور وہ سلطان ٹیپو سے نپٹنے کی ہمت رکھتے ہیں۔لیکن انگلینڈ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو صلحنامہ منگلور کی خلاف ورزی کر کے سطان ٹیپو سے جنگ چھیڑنے کے مخالف ہیں۔ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے لارڈ کارنوالس ایسے حالات پیدا کرنے کی فکر میں ہیں کہ میسور کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جنگ ناگزیر ہو جائے۔''

ہلکر نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں صرف معاہدہ منگلور جنگ سے

روکے ہوئے ہے اور لارڈ کارنوالس یہ معاہدہ توڑنے کے لیے کسی معقول بہانے کی تلاش میں ہیں۔''

مسٹر یون نے جواب دیا۔ یور ہائینس بہانہ تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں لیکن میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمیں جنگ کی تیاری کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک لارڈ کارنوالس جنگ کے لیے تیار نہیں ہوتے وہ سلطان ٹیپو کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے رہیں گے اور جب ان کی تیاریاں مکمل ہو جائیں گی تو وہ کسی نہ کسی بہانے میسور پر چڑھائی کر دیں گے۔ لیکن ہم یہ کیوں نہ سمجھیں کہ جو قوم آج سلطان ٹیپو کو دھوکا دے سکتی ہے وہ کل ہمیں بھی دھوکا دے گی اور جن بہانوں کا سہارا لے کر تم ٹیپو کے ساتھ صلح کے معاہدوں کی خلاف ورزی کرو گے وہ کسی دن ہمارے خلاف بھی تلاش کیے جائیں گے؟''

محفل پر ایک سکوت چھا گیا اور ہلکر نے قدرے توقف کے بعد اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔ بھائیو۔ میری بات غور سے سُنو! لارڈ کارنوالس ٹیپو کا دشمن ہے نہ ہمارے دوست۔ وہ امریکہ میں انگریزوں کی ایک بہت بڑی سلطنت کھو بیٹھنے کے بعد یہاں آیا ہے اور انگریزوں نیا سے یہاں اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ میسور کی سلطنت فتح کر کے ہمارے آگے ڈال دے۔ بلکہ اسے لیے بھیجا گیا ہے کہ انگریزوں نے جو نقصانات امریکہ میں اٹھائے ہیں وہ ہندوستان سے پورے کیے جائیں اور صرف میسور کی سلطنت یہ نقصانات پُورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہو گی۔ آج اگر میسور کی باری ہے تو کل ہماری باری آئے گی۔

سُلطان ٹیپو کے ساتھ انگریزوں کی دشمنی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اسے اپنے

راستے میں ایک بہت بڑی دیوار سمجھتے ہیں اور ہمیں ان کا راستہ صاف کرنے کے لیے اس دیوار کو گرانے کی حماقت نہیں کرنی چاہیے۔ اس دنیا میں اگر کسی کو ایک شریف دوست نہ مل سکے تو اسے یہ تمنا کرنی چاہیے کہ اس کا دشمن شریف ہو۔ اور سلطان ٹیپو ایک شریف دشمن ہے۔ اس کی شرافت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ہماری قوم کی جو بیٹیاں اس کی قید میں تھیں وہ اسے اپنا بھائی اور باپ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہیں اور جب انگریزوں نے میسور پر حملہ کیا تھا تو انھوں نے اننت پور کی فتح کی خوشی میں سینکڑوں بے بس عورتوں اور نہتے قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

ہری پنت نے کہا آپ کے خیالات میں یہ تبدیلی صرف اس لیے آئی ہے کہ ٹیپو نے ہماری عورتوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا ہے لیکن آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ صرف اس کی ایک سیاسی چال تھی وہ یہ جانتا تھی وہ یہ جانتا تھا کہ اگر ان عورتوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی گئی تو تمام مرہٹہ ریاستوں میں آگ جائے گی اور ہم اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے سرنگا پٹم پہنچنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

ایک نوجوان لڑکی خیمے میں داخل ہوئی اور اس نے بلند آواز میں کہا جو سرنگا پٹم پہنچنے کی ہمت رکھتے ہیں انھیں خطرے کے وقت اپنی بیویوں اور بہنوں کو چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔'

مجلس پر ایک سناٹا چھا گیا چند اور عورتیں خیمے کے اندر داخل ہوئیں نوجوان لڑکی نے آگے بڑھ کر ایک مرہٹہ سردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا میرا پتی یہاں موجود ہے اور میں اس سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں نے کیا پاپ کیا ہے؟ کیا میرا قصور یہ تھا کہ میں ایک عورت تھی اور بھاگتے وقت اس سے پیچھے رہ گئی تھی

میں اور میری بہنیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہمارے پتی کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں اور ہم ننگے در اُن کا ماتم کر رہی تھیں ۔ سلطان ٹیپو ہمارا دشمن تھا لیکن اس نے ہمیں اپنے سر ڈھاپنے کے لیے چادریں دیں ہم اس کی قید میں تھیں لیکن میسور کے دسی سپاہی کی مجال نہ تھی کہ وہ آنکھ اٹھا کر ہماری طرف دیکھ سکے سلطان نے ہمیں عزت سے یہاں بھیجا لیکن یہاں پہنچ کر ہم اپنے متعلق بھی نہیں کر سکتا میں پوچھتی ہوں کہ تمھاری غیرت اس وقت کہاں گئی جب تم ہمیں دشمن کے قبضے میں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے؟"

راجہ بھونسلے نے نوجوان لڑکی کے الفاظ سے متاثر ہو کر کہا بہنو؟ تمھیں یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی اگر کسی نے تمھارے متعلق کوئی بری بات کہی ہے تو اس نے بڑا پاپ کیا ہے اور میں اس لشکر کے ہر سپاہی کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔"

☆

ایک ادھیڑ عورت نے کہا مہاراج ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ہلیں گی جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے متعلق ہمارے خاوندوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

آپ اپنے آدمیوں کے خیموں میں چلی جائیں اگر کسی کا پتی اعتراض کرے گا تو ہم اس سے نپٹ لیں گے ہماری نظر میں تم سب دیویاں ہو۔" بھونسلے یہ کہہ کر آگے بڑھا اور ایک سردار کو ہاتھ سے پکڑ کر بولا تم کیا سوچ رہے ہو اٹھو اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤ ہم جنگ کے متعلق کل سوچیں گے۔"

بھونسلے کی تقلید میں باقی سردار اور راجے دوسری عورتوں کے خاوندوں کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا رہے تھے اعتراض کرنے والوں کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں تھوڑی دیر

بعد تمام عورتیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ ان کے خیموں میں جا چکی تھیں۔”



نواں باب

پونا اور حیدر آباد کی فوج ابھی حملے کی تیاریاں کر رہی تھیں کہ سلطان نے دریائے تنگبھدرہ آس پاس چند چوکیوں اور قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد بہادر بند کا محاصرہ کرلیا اپنے محلِ وقوع اور دفاعی استحکامات کے لحاظ سے بہادر بند کا قلعہ مرہٹوں کا عظیم ترین مستقر تھا اور سلطان نے اس قلعے پر اس وقت حملہ کیا تھا جب کہ اتحادیوں کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج صرف چند میل دُور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔ ۸ جنوری ۱۷۸۷ء کی صبح میسور کی فوج نے ایک شدید حملے کے بعد اس قلعے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن دشمن کی شدید مزاحمت کے باعث اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

چند گھنٹے بعد سلطان کا لشکر دوسرے حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ اتحادی لشکر کے پڑاؤ سے ایک ایلچی سفید جھنڈا اٹھائے نمودار ہُوا اور اس نے سلطان کے ساتھ صلح کی بات شروع کر دی سلطان نے فوراً جنگ بند کرنے کا حکم دیا لیکن چار دن تک اتحادیوں کے ساتھ صلح کی شرائط طے نہ ہو سکیں اور سلطان کو یہ اندازہ ہُوا کہ صلح کی گفتگو شروع کرنے سے دشمن کا اصل مقصد صرف مزید تیاری کے لیے وقت حاصل کرنا ہے چنانچہ ۳۱ جنوری کی صبح میسور کے لشکر نے بہادر بندہ کے قلعہ پر گوالہ پر دوبارہ گولہ باری شروع کر دی قلعے کا مرہٹہ کمانڈ کمانڈنٹ مارا گیا اور سپاہیوں نے بیرونی اعانت سے مایوس ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔

بہادر بندہ کا قلعہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اتحادی کیمپ میں بددلی پھیل چکی تھی ایک راجہ دوسرے راجہ اور ایک سردار کو کوس رہا تھا نظام کے سپاہی مرہٹوں کو اور مرہٹہ سپاہی نظام کے لشکر کو ہی بے حیائی اور بزدلی کے طعنے دے رہے تھے حیدر آباد اور پونا کے درباروں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل اتحادی لشکر کے پڑاؤ میں

پہنچ چکے تھے اور انھیں یہ یہ سمجھا رہے اتھے کہ ابھی تمھارا کچھ نہیں بگڑا ہے۔ اگر اب بھی تم آپس کے اختلافات دُور کر کے متحد اور منظّم ہو جاؤ تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔ میسور کی فوف اپنے محدود وسائل کے ساتھ چند ہفتوں یا چند مہنیو سے زیادہ تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اگر تم کچھ عرصہ اور ہمت سے کام لو تو ایسٹ انڈیا کمپنی میدان میں آجائے گی۔ لیکن فوج کے کیمپ میں ہلکر کی طرح کئی اور سردار بھی اب کھلے بندوں اس قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے تھے کہ انگریز ہمارے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم میسور کو ادھر موا کر کے ان کے آگے ڈال دیں۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر اس جنگ نے طول کھینچا تو ہماری اپنی حالت میسور سے مختلف نہیں ہو گی۔ پھر انگریز کو اس بات کی پوری آزادی ہو گی کہ وہ ہمارا حلیف بن کر میسور کی سلطنت کا ایک بڑا حصہ ہتھیا رلے یا ٹیپو کا حلیف بن کر ہمارے خلاف اعلان جنگ کر دے۔

سلطان ٹیپو کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اگر جنگ کی طوالت کے باعث انگریزوں کو تیاری کا موقع مل گیا تو اسے دو محازوں پر لڑنا پڑے گا۔ نظام اور پیشوا کو صلح پر آمادہ کرنے کی اب یہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ جنگ کو کسی تاخیر کے بغیر ختم کر دیا جائے۔ مرہٹہ کیمپ کے حالات اس سے پوشیدہ نہ تھے۔ اس کے جاسوس اسے پل پل کی خبریں دے رہے تھے۔ چنانچہ اس نے کسی توقف کے بغیر اتحا دیوں کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ جس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا اسی قدر شدید تھا۔ ہلکر کے سوا جس نے جنگ شروع ہوتے ہی اپنے سپاہیوں کو میدان سے نکال لیا تھا باقی مرہٹہ افواج سخت تباہی کا سامنا کر رہی تھیں۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر میدان صاف ہو چکا تھا اور سلطان کے طوفانی دستے

بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔نظام کا لشکر جو ب تک صرف تماشائیوں کی حیثیت میں اپنے حلیفوں کی کارگزاری دیکھنے کا عادی تھا پہلی بار شیر میسور کی قوت کا صحیح اندازہ کر رہا تھا۔ تہور جنگ میدان سے بھاگنے میں سبقت کرنے کے باوجود یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا یوم حساب شروع ہو چکا ہے اور میسور کی فوج جو اب تک اس کے ساتھ رعایت برتتی آئی تھی اب نظام کے تمام سابقہ گناہوں کا حساب چکانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔میسور کی افواج نے شام تک اس کا تعاقب جاری رکھا۔ اور رات کی اریکی میں جب وہ میدان جنگ سے کوسوں دور اپنے بقیۃ السیف ساتھیوں کے درمیاں کھڑا اپنے نقصانات کا جائزہ لے رہا تھا تو اسے یہ معلوم ہوا کہ توپوں کے علاوہ اس کے اسلحہ بارود اور رسد کی بیشتر گاڑیاں دشمن کے قبضے میں جا چکی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ایک جنگل میں بھونسلے اور ہری پنت کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے انتہائی شکایت کے لہجے میں کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مستقبل کے متعلق آپ کے کیا ارادے ہیں لیکن جہاں تک حیدرآباد کا تعلق ہے میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے لیے یہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔

جسونت راؤ نے کہا۔ میرے دوست! ہلکر آپ سے زیادہ ہوشیار تھا وہ یہ بات کئی مہینے پہلے سمجھ گیا تھا جو تم آج سمجھے ہو۔ اور ہم شاید چند دن یا چند ہفتے بعد سمجھ جائیں۔

ہری پنت نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ ہم اس حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر ہلکر دشمن کے راستے سے اپنی فوج نہ ہٹاتا تو ہمیں اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اب دشمن جس قدر آگے بڑھے گا اسی قدر اس کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ہم قدم قدم پر اس کا مقابلہ کریں گے۔

اس فتح کے بعد سلطان نے تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان کسی جگہ دشمن کو دم لینے کا موقع نہ دیا۔ تہور جنگ ہر محاز پر کوسوں دور رہنا پسند کرتا تھا اور مرہٹہ سپاہی کسی ایک جگہ جمع ہونے کی بجائے منتشر ہو کر بھیڑوں کی طرح میسور کی فوج ک آگے بھاگ رہے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایمنٹ لارڈ کارنوالس کو یہ پیغام بھیج رہے تھے کہ اب ہمارے دوست ہمت ہار چکے ہیں۔ پونا اور حیدر آباد کے درباروں میں ہری پنت اور تہور جنگ کے ایلچی یہ کہہ رہے تھے کہ ہم جنگ ہار چک ہیں۔ اب اگر سلطان کے ساتھ باعزت شرائط پر صلح ہو سکتے تو ہمیں اسے بھی اپنی فتح سمجھنا چاہیے۔

اور شیر اپنے کچھار سے بہت دور آچکا تھا۔ حیدر آباد اور پوتا کی طرف یلغار کے لیے اس کا راستہ کھلا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو نظام اور پیشوا کی قوت ہمشہ کے لیے ختم کر سکتا تھا لیکن جب انھوں نے صلح کے لیے ہاتھ بڑھائے تو سلطان نے کسی حجت کے بغیر تلوار نیام میں ڈال لی اس لیے نہیں کہ اب اسے ان کی طرف سے کسی شدید مزاحمت کی توقع نہ تھی اس لیے بھی نہیں کہ وہ مستقبل میں ان کی صلح جوئی اور امن پسند ک پر اعتماد کر سکتا تھا۔ بلکہ صرف اس لیے کہ اس کے نزدیک میسور کے اصل دشمن انگریز تھے۔ اور وہ جنگ کے کو طول دے کر ایکسے حالات پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے جارحانہ ارادوں کے لیے سازگار ہو سکتے تھے۔

یہ صلح ایک مجبوری تھی ایک ایسے انسان کی مجبوری جسے گیدڑوں اور گدھوں کا پیچھا کرتے وقت اپنے عقب سے بھڑیوں کے حملے کا خطرہ ہو۔ کئی برس قبل سلطان ٹیپو کے باپ نے اس وقت تلوار نیام میں ڈال لی تھی جب کہ اس کی افواج مداس کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا عقب

نظام اور مرہٹہ حکمرانوں کی سازشوں کے باعث غیر محفوظ تھا۔ پھر سلطان ٹیپو کی زندگی میں بھی ایک مرحلہ ایسا آیا تھا۔ جب انگریز یہ محسوس کرتے تھے کہ اب جنوبی ہندوستان کا کوئی گوشہ ان کے لیے محفوظ نہیں لیکن پیچھے سے نظام اور مرہٹوں کے حملے کے خدشہ نے اسے بھی انگریزوں کی ساتھ مصاحت پر مجبور کردیا تھا اور جب کہ نظام کی ملت فروشی اور مرہٹوں کی وطن دشمنی کا حساب چکانے کا وقت آیا تو اس کے لیے انگریز ایک بڑا خطرہ بن چکے تھے،

جنگ کے بعد سلطان نے مصاحت کی خاطر جس وسیع القلبی کا ثبوت دیاوہ مرہٹوں کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور کرشنا کے درمیان بادامی زگنڈ اور کٹھور کے علاقے مرہٹوں کو واپس کردیے اور مرہٹے اس کے بدلے سلطان کے ساتھ ایک دفاعی اور جارحانہ معاہدہ کرنے پر رضامند ہوگئے۔ اور نظام کی دوستی حاصل کرنے کے لیے سلطان نے ادھونی کا مفتوحہ علاقہ مہابت جنگ کو واپس کر دیا۔



فرحت عصر کی نماز کے بعد ایک کمرے میں قرآن کی تلاوت کر رہی تھی اور جین باہر صحن میں ایک درخت کے نیچے مونڈھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک مکان کے بیرونی حصے میں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور وہ اٹھ کر دروزے کی طرف بڑھی۔ چند دن قبل سرنگاپٹم میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ لیکن قریباً ایک مہنہ سے فرحت کے بیٹوں اور لیگر انڈ کی طرف سے کوئی خبر نہ آنے کے باعث وہ سخت مضطرب تھی۔ وہ ابھی دروازے سے چند قدم دور تھی کہ نوکر بھاگتا ہو صحن میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ میم صاحب وہ آگئے ہیں!

جین جلدی سے آگے بڑھی اور دروازے سے بہر جھانکنے لگی۔

ڈیوڑھی کے قریب لیگر انڈ اپنا گھوڑا ایک نوکر کے سپرد کر رہا تھا۔ اور وہ چند ثانیے آگے بڑھنے یا پیچھے مڑنے کا فیصلہ نہ کر سکی۔ پھر جب لیگر انڈ دیوان خانے کا رُخ کر رہا تھا۔ تو وہ اچانک باہر نکل آئی۔ اب اسے اس بات کا احساس نہ تھا کہ وہ چلنےکی بجائے بھاگ رہی ہے۔لیگر انڈ دیوان خانے کے اندر داخل ہوتے ہی اپنے پیچھے کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر مڑا اور اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے لیکن جین اس کی توقع کے خلاف دروازے میں رُک گئی۔

لیگر انڈ نے دل برداشتہ ہو کر کہا جین فوج مجھے میں ترقی مل گئی ہے کیا بات ہے جین تم اس قدر بدحواس قدر بدحواس کیوں ہو؟ تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہُوئیں؟"

جین نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔" آپ جا کیلے آئے وہ کیوں نہیں آئے؟"

"کون، انور اور مُراد؟ اُف مجھے معلوم تھا کہ مجھے تنہا دیکھ کر تم اس قدر گھبرا جاؤ گی۔ وہ ایک ہفتہ تک یہاں پہنچ جائیں گے مجھے موسیولالی نے جنگ ختم ہوتے ہی چُھٹی دے دی تھی۔ تمھیں انور اور مراد کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے وہ بالکل ٹھیک ہیں بیٹھ جاؤ میں تمھارے ساتھ سینکڑوں باتیں کرنا چاہتا ہُوں۔"

جین نے کہا میں ان کی والد کو تسلی دے آؤں وہ بہت پریشان ہیں میں ابھی آتی ہُوں۔'

جین وہاں سے چل پڑی اور لیگر انڈ زخم خوردہ سا ہو کر ایک کُرسی پر بیٹھ گیا چند منٹ بعد جین دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

لیگر انڈ نیا پنی جیب سے ایک تھیلی نکال کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا یہ لو ہمیں فتح کی خوشی دو ماہ کی زائد تنخواہ ملی ہے اس کے علاوہ مجھے تین مہینے کی چھٹی ملی ہے انور علی نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آتے ہی ہمارے لیے علیحدہ مکان کا

بندوبست کر دے گا۔"

جین نے کہا نہیں اسے اپنے پاس رکھیے میرے پاس آپ کا بھیجا ہوا تمام روپیہ محفوظ پڑا ہے انور علی کی والدہ اس بات پر خفا ہوئی تھیں کہ آپ اپنی پوری تنخواہ مجھے کیوں بھیج دیتے ہیں۔"

لیگرانڈ نے دل برداشتہ ہو کر کہا جین مجھے احساس نہ دلاؤ کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور تمھیں کچھ نہیں دے سکتا۔"

جین نے معذرت طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ سے تھیلی لیتے ہوئے کہا میرا مقصد تمھیں آزردہ کرنا نہ تھا میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ تم کو میری خاطر اتنی تنگی برداشت نہیں کرنی چاہیے انور کی والدہ مجھے اپنے روپے سے ایک کوڑی بھی خرچ کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

لیگرانڈ نے کہا جین اگر پیرس میں مجھے کوئی یہ بتاتا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایک اجنبی کو اپنی روٹی کے ہر نوالے میں حصہ دار بنا لیتے ہیں تو مجھے یقین نہ آتا لیکن میں اب پر مزید بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا ہمیں بہت جلد ان سے اجازت لینی پڑے گی اگر تمھارے لیے میری درخواست کوئی معنی رکھتی ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں انور اور مراد کے یہاں پہنچتے ہی شادی کر لیتی چاہیے میں ہر لڑائی سے پہلے یہ سوچا کرتا تھا کہ شاید میں تمھیں دوبارہ نہ دیکھ سکوں مجھے اپنی کم مائگی کا احساس ہے لیکن اس کے باوجود میں اس فریب میں مبتلا رہنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔"

جین نے گردن جھکاتے ہوئے جواب دیا لیگرانڈ میں ناشکر گزار نہیں ہوں اور مجھے اپنے مستقبل کے متعلق تمھارا کوئی فیصلہ نا قابل قبول نہیں ہوگا۔"

اور لیگرانڈ کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے سامنے کھلونوں کے ڈھیر لگا دیے گئے ہوں۔



بیس دن بعد موسیولالی کی قیام گاہ کے قریب ایک چھوٹے سے مکان میں جو گزشتہ چند برس سے سلطان کی فوج کے یورپین اور دوسرے عیسائی سپاہیوں کے لیے گرجے کا کام دیتا تھا لیگرانڈ اور جین کی شادی کی رسومات ادا ہو رہی تھیں یورپین افسروں کے علاوہ انور مراد اور ان کے چند دوست اس موقع پر موجود تھے نکاح کی رسم ایک فرانسیسی پادری نے ادا کی۔"

دولھا اور دلھن مکان سے باہر نکل رہے تھے تو موسیولالی نے لیگرانڈ سے مخاطب ہو کر کہا لیگرانڈ تم بہت خوش قسمت ہو لیکن ایسی دلھن کے لیے تمھارا کمرہ موزوں نہیں اگر تم پسند کرو تو میں تمھارے ہنی مون کے لیے اپنے مکان کا ایک حصہ خالی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

لیگرانڈ نے جواب دیا۔" شکریہ! لیکن انور علی نے ہمارے لیے ایک علیحدہ مکان کا بندوبست کر دیا ہے اور اب ہم سیدھے وہاں جا رہے ہیں۔"

مکان کے باہر آٹھ کہار ایک کشادہ پالکی کے گرد کھڑے تھے جین پالکی میں بیٹھ گئی۔"

انور علی نے لیگرانڈ سے مخاطب ہو کر کہا آپ بھی تشریف رکھیں یہ پالکی آپ دونوں کے لیے ہے۔"

لیگرانڈ پیدل چلنا چاہتا تھا لیکن انور علی اور دوسرے دوستوں کے اصرار پر جین کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کہاروں نے پالکی اٹھائی اور انور مرادان کے ساتھ چل دیے شہر کے کشادہ بازار میں کوئی آدھ میل فاصلہ طے کرنے ک بعد کہا ایک تنگ گلی کے سامنے رکے اور انھوں نے پالکی نیچے رکھ دی۔"

انور علی آگے بڑھ کر کہا" یہ گلی بہت تنگ ہے۔ اب آپ کو چند قدم پیدل چلنا ہو گا کوئی، مجھے افسوس ہے کہ میں کوشش کے باوجود آپ کے لیے کسی کشادہ سڑک پر مکان کا بندوبست نہیں کر سکا"

لیگر انڈ اور جین پالکی سے اُتر کران کے ساتھ چل دیے۔ جین دلہن کے سفید لباس میں ایک پری معلوم ہو رہی تھی۔ اور گلی سے گزرنے والے لوگ حیران ہو ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

انور علی نے ایک موڑ کے قریب رُک کر بائیں ہاتھ سے ایک مکان کے کشادہ دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔" یہ آپ کا گھر ہے!"

لیگر انڈ نے قدرے تذبذب کے بعد کہا۔" یہ بات آپ کہ عجیب معلوم ہو گی۔ لیکن ہم اسے شادی کی رسم کا ایک اہم حصہ سمجھتے ہیں۔" پھر اس نے کسی توقف کے بغیر اچانک آگے جھک کر جین کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا اور مکان کے اندر داخل ہُوا۔

جین نے کہا۔" خدا کے لیے مجھے چھوڑ دا س ملک کے لوگ ایسی حرکات پسند نہیں کرتے۔"

صحن میں انور علی کا ایک نوکر موجود تھا اور اس کی بدحواسی اور پریشانی قابلِ دید تھی۔

جین نے کہا۔" خدا کے لیے مجھے اتار دو۔ یہ لوگ ہمارا نداق اُڑائیں گے۔"

معاف کیجیے گا۔" پریشان حال نوکر یہ کہہ کر ایک کمرے کی طرف بھاگا اور پیچھے سے انور علی اور مُراد کے قہقہے جین کو انتہائی ناخوشگوار محسوس ہوئے لیگر انڈ اب بھی اسے نیچے اتارنے پر آمادہ نہ تھا۔ لیکن وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے علیحدہ ہو گئی۔

انور علی نے کہا۔ جین تمھیں ہماری وجہ سے بدشگونی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں پانڈی چری میں رہ کر تم لوگوں کی تمام رسومات سے واقف ہو چکا ہُوں۔"

لیگر انڈ نے خوب صورت دو منزلہ مکان کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ یہ مکان ہماری ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کا کرایہ کہیں میری تنخواہ سے زیادہ نہ ہو۔ اگر آپ نے مجھے پہلے دکھا دیا ہوتا تو میں آپ کو یہ مکان لینے کا مشورہ نہ دیتا۔

یہ مکان خرید لیا گیا ہے اور آج سے آپ اس کے مالک ہیں۔ یہ امّی جان کی طرف سے جین کو شادی کا تحفہ ہے۔

لیگر انڈ نے کہا۔ نہیں یہ ایک زیادتی ہے۔ آپ ہماری گردن پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

انور علی نے کہا۔ میرے دوست آپ کو اس بات پر ناراض ہونا چاہیے۔ ہم نے صرف آپ کی ضرورت کا احساس کیا ہے اور ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ ہم آپ کے لیے اس سے بہتر مکان حاصل نہیں کر سکے۔

انور علی میں ناراض نہیں ہوں۔ لیگر انڈ نے کہا۔ لیکن یہ بہت زیادتی ہے۔

انور علی نے جین کی طرف دیکھا اور کہا۔ جین یہ امی جان کی خواہش تھی اور مجھے اُمید ہے کہ تم ان کی خواہش کا احترام کرو گی۔